سازِ مغرب

(اردو آہنگ میں)

حصّہ سوم

مرتّبہ

حسن الدّین احمد

ولا اکیڈمی حیدرآباد

عزیز مکرم جناب حمید الدین صاحب کی خدمت میں

طالب
حسن الدین

نئی دہلی
۱۴/۷/۱۹۷۸

سازِ مغرب

اُردو آہنگ میں

حصہ سوم

مرتبہ

حسن الدین احمد

ولا اکیڈمی حیدرآباد

سلسلۂ مطبوعات ولا اکیڈمی ——— (۳۳)

زمانہ اشاعت ——— جنوری ۱۹۷۸ء

تعدادِ اشاعت ——— ایک ہزار

طباعت ——— کوہِ نور پریس دہلی ۶

کتابت ——— عبدالصبور خاں

قیمت ——— بیس روپیہ

ناشر:

ولا اکیڈمی

ملنے کا پتہ:

ولا اکیڈمی۔ عزیز باغ، سلطان پورہ، حیدرآباد ۵۰۰۰۲۴

ترتیب

ابتدائی باتیں

منظوم ترجموں کے انتخاب کا پراجکٹ ایک بڑا، اہم اور صبر آزما کام ہے۔ ابتدا میں یہ اندازہ کیا گیا تھا کہ یہ کام پانچ جلدوں میں مکمل ہو گا لیکن موجودہ اندازہ کے مطابق اس عظیم کام کی تکمیل کے لیے سازِ مغرب کے پانچ (یعنی مزید دو) اور سازِ مشرق کے تین حصّے درکار ہوں گے۔ اس پراجکٹ کی خوبی یہ ہے کہ اس کا ہر حصّہ ایک مستقل ادبی خدمت کا احساس دلاتا ہے۔ اور ہر حصّہ کی تکمیل ایک معرکہ سر کرنے کے برابر ہے۔ یہ محض فضلِ ایزدی ہے کہ سازِ مغرب کا تیسرا حصّہ جو پہلے دو حصّوں کی طرح انگریزی نظموں کے ایسے تراجم پر مشتمل ہے جو روایاتی انداز میں نظم کئے گئے ہیں۔ ولا اکیڈمی کی تینتیسویں^۳۳ پیش کش کی حیثیت سے اہلِ اردو کی خدمت میں پیش ہے۔

اس مرتبہ (۴۶) اردو شاعروں کے (۱۰۴) منظوم ترجمے پیش ہیں۔ ان میں ایک انگریزی نظم کے چار سات انگریزی نظموں کے تین۔ تین۔ اور نو انگریزی نظموں کے دو دو منظوم ترجمے پیش ہیں۔ ان کو ترتیب میں اولیت

دی گئی ہے۔ اس مرتبہ (۲۳) ایسے منظوم ترجمے شامل کئے گئے ہیں جن کے "ہمتر جمے"، سازِ مغرب حصہ اوّل یا حصہ دوم میں شریک ہیں۔ یہ بوقلمونی اگر ایک طرف تفریح طبع کے سامان اور تقابلی مطالعہ کے مواقع فراہم کرتی ہے تو دوسری طرف مرتب کو اس کی جستجو اور تلاش کی داد دلواتی ہے۔

اس احساس کے باوجود کہ منظوم شہ پاروں کی ادبی اہمیت اور فن کارانہ عظمت کا پورا پورا اندازہ اصل اور ترجموں کو ساتھ ساتھ دیکھے بغیر ممکن نہیں بعض ناگزیر مجبوریوں کی بناء پر حصہ دوم میں منظوم ترجموں کے محاذی اصل انگریزی نظموں کو پیش نہ کیا جا سکا تھا۔ اس مرتبہ اس کمی کو پورا کیا گیا ہے۔ (۷۸) انگریزی نظموں کے ترجمے اس حصہ میں شامل ہیں۔ ان انگریزی نظموں میں سے (۹)، کو چھوڑ کر جو حصہ اوّل میں شامل ہیں بقیہ تمام کو اس حصہ میں جگہ دی گئی ہے۔

جن علم دوست حضرات نے منظوم ترجموں کی فراہمی میں میری مدد کی ان سب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ خاص طور پر جناب تصدق حسین تاج کا شکر گذار ہوں جنہوں نے شوق و ذوق سے جمع کیا ہوا اپنا ذخیرہ نہایت فراغ دلی سے میرے حوالہ فرمایا۔ میں محترم جناب امتیاز علی عرشی اور جناب اکبر علی عرشی زادہ کا شکر گذار ہوں جن کی مہربانی سے رضا لائبریری رامپور کے ذخیرہ سے استفادہ کا موقع ملا۔ اسی طرح جناب ضیاء الدین انصاری اور جناب اختر الواسع کا شکر گذار ہوں جنھوں نے مولانا آزاد لائبریری علیگڑھ سے کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے میں میری مدد کی۔

ایک جذبہ تشکر اور بھی ہے۔

لے سوائے سلسلہ نمبر ۴۹، ۶۱، ۶۸، ۸۸، ۹۴، ۹۸، ۱۰۲ و ۱۰۳۔

مجھے اپنی بے مائیگی کا احساس پوری شدّت کے ساتھ اس وقت ہوتا ہے جب مجھ سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ میں نے اتنے سارے منظوم ترجمے کیسے اور کہاں کہاں سے فراہم کر لیے۔ میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ مجھے اس پراجکٹ پہ کام کرنے کی توفیق ہوئی۔ اور میں اکیلا ہی خلوص اور انہماک سے منزل کی جانب چل پڑا۔ پھر جانے انجانے متوقع اور غیر متوقع لوگ ملتے گئے۔ گویا یہ سب کسی مقررہ پروگرام کے تحت ہو رہا ہو۔ ملاقاتیں ہوئیں۔ حوالے دیئے گئے۔ نشاندہیاں ہوئیں۔ مشورے ملے۔ مراسلتیں ہوئیں۔ سفر ہوئے، کتب خانوں کی حاضریاں ہوئیں۔ قدیم رسالوں اور کتابوں کی ورق گردانیاں ہوئیں۔ کتنی ہی کتابوں میں پہلی مرتبہ ورق کو ورق سے جدا کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ دن میں وقت نہ ملا تو رات کی نیندیں اچاٹ ہو گئیں۔ غرض اس شان سے چیزیں جمع ہوتی گئیں۔ یہ سب اہتمام جس "کسی" نے کیا اس کے لیے ایک خاص جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ کیسے بتاؤں کہ وہ جذبہ کیا ہے؟ بعض جذبات بیان کیے جا سکتے ہیں۔ بعض الفاظ کی کثافت کو نہیں سہ سکتے صرف محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ بعض تو اتنے لطیف ہوتے ہیں کہ احساس بھی ان کی تاب نہیں لا سکتا جن کا مقام آنکھوں کی نمی ہوتا ہے۔ میرے اس جذبہ کا مقام بھی آنکھوں کی نمی ہے۔

حسن الدین احمد

سی ۷ ۳۰ کرزن روڈ، اپارٹمنٹ
نئی دہلی
جنوری ۱۹۷۸ء

حسرتؔ موہانی

موسمِ بہار کا آخری پھول

شاخِ گلبن میں جو ہے پھول لگا
بس یہی اک ہے چمن میں باقی
اور سب خاک ہیں مرجھا کے ملے
اب نہیں ایک بھی اس کا ساتھی

ساتھ کا اُس کے کوئی پھول تو کیا
ہاتے ایسا کوئی غنچہ بھی نہیں
رنج و راحت میں جو ہو اس کا شریک
ہو مصیبت میں جو اُس کے غمگیں

اے گلِ کشتۂ دوری تجھ کو
مجھ سے تنہا نہیں چھوڑا جاتا
خاک پر سوتے ہیں ساتھی تیرے
تو بھی جا اور انھیں بھی مل جا

رحم کھا کر ترے اوراق کو میں
پھینکتا ہوں سوئے صحن گلشن
موت کی خوابِ گراں میں جس جا
سب پڑے ہیں ترے یارانِ چمن

جن سے آباد تھی بزمِ اُلفت
ایسے احباب کا جلسا نہ رہا
اب نہیں نامِ محبت باقی
مل گئے خاک میں اربابِ وفا

ساتھ اُن کے چمن عالم سے
میں بھی اٹھ جاؤں خُدا سے ہے دُعا
غمِ احباب میں رونے کے لئے
ہائے مجھ سے نہ رہا جائے گا

ہم معجمہ سازِ مغرب حصہ دوم صفحہ ۱۳۴ پر دیکھیے۔

سرور جہان آبادی

موسمِ بہار کا آخری پھُول

یہ آخری گلاب کا ہے یادگار پھُول
اور شاخ پر کھلا ہوا تنہا چمن میں پھُول
بیکس غریب فرقتِ احباب میں ملُول
دھندلا سا اک چراغِ سحر انجمن میں پھُول

ہے کوئی غمگسار نہ ہمدم کوئی قریں
بچپن کے آشنا ہیں نہ وہ خانداں کے پھُول
رُخصت ہوئے چمن سے رفیقانِ ہم نشیں
بکھرے پڑے ہیں خاک پہ اب گلستاں کے پھُول

ننھّی سی آہ، کوئی کلی بھی نہ ہے قریب
ڈالے جو عکس پھُول سے رُخ کا غریب پر
کچھ دردِ دل کا حال کہے جس سے غم نصیب
جو اُس کی آہِ سرد کو سن کر ہو نوحہ گر

کملانے دوں گا تجھ کو نہ تنہا میں شاخ پر
ڈر ہے نہ کنج میں تیری مٹی خراب ہو
احباب سو رہے ہیں جہاں تیرے بے خبر
جا تو بھی اور اُن کے ہم آغوشِ خواب ہو

کب تک زباں پہ فرقتِ احباب کا گلا
اب تیری پتیاں میں بچھاتا ہوں خاک پر
ہیں محوِ خوابِ مرگ جہاں تیرے آشنا
تجھ کو بھی ان کے ساتھ ملاتا ہوں خاک پر

رختِ سفر اٹھاؤں گا میں بھی جہاں سے جلد
احباب مجھ سے جب مرے ہو جائیں گے جدا
چھوٹوں گا مر کے ہجر کے دردِ نہاں سے جلد
تنہا کوئی جہاں میں جیا بھی تو کیا جیا

کیا لے کے آہ کوئی کرے عمرِ جاوداں
ملکِ وفا میں جب نہ رہے دُرِ آبدار
یارانِ رفتہ کا ہے زیارت کدہ جہاں
میری بھی بے کسی کا بنے گا وہی مزار

جب اُٹھ گئے جہان سے یاران زندہ دل
جی کر غمِ فراق کے صدمے سہے گا کون؟
گھڑیاں تری اُٹھانے کو اے دردِ جاں گسل
اس غمکدے میں آہ اکیلا رہے گا کون؟

ارشد صدیقی

بسنت کا آخری پھول

مدھور رسنا کلی کا ایک اکیلا پھول ابھی تک جھوم رہا ہے
جس کے سارے سنگی ساتھی مرجھا کر دم توڑ چکے ہیں
کوئی نہیں ہے جس کا اپنا، ایک کلی بھی پاس نہیں ہے
جو اس کی مکان پہ مسکائے، آہوں میں آہ ملائے

میں نہ تجھے چھوڑوں گا اکیلا ڈالی پہ مُرجھا جانے کو
سو گئے تیرے من کے پیارے تو بھی انھیں میں جا کر سو جا
توڑ کے تیری پنکھڑیوں کو لا! اس کیاری پر پھیلا دوں
جس میں تیرے سنگی ساتھی بے خوشبو بے جان پڑے ہیں

میں بھی تیرے پیچھے آؤں گا ہمدردی جب مٹ جائیگی
اور بکھر جائیں گے میری پیار کی مالا کے سب موتی
جب سچے دل مرجھا جائیں گے اور بچھڑ جائیں سب ساتھی
پھر اس درد بھری دُنیا میں کون اکیلا رہ سکتا ہے

تسکینؔ قریشی

فصلِ گرما کا آخری پھول

یہی ہے آخری اک پھول دیکھو فصلِ گرما کا
اکیلا رہ گیا ہے جو برائے نکہت آمیزی

تمام اس کے رفیقان شمیم انگیز و خوش منظر
ہوئے پژمردہ ہو کر آہ! وقفِ عبرت انگیزی

نہ کوئی پھول اس کی جنس کا موجود ہے اس جا
نہ کوئی غنچۂ نکہت خزا ہے متصل اس کے

بنے جو آئینہ اس کے جواب آگیں اداؤں کا
اور اس کی آہ کے بعد اپنی آہِ مضطرب کھینچے

میں تجھ کو چھوڑ کر ہرگز نہ جاؤں گا گلِ تنہا
وفورِ رنج و غم سے شاخ پے پژمردہ ہونے کو

ترے اربابِ اُلفت چونکہ محوِ خوابِ غفلت ہیں
لہٰذا تو بھی اب جا اور ان کے ساتھ مل کر سو

پس از راہ کرم یہ تیری ننھی ننھی پنکھڑیاں
کئے دیتا ہوں میں بھی منتشر اس فرش پر ہر سو
جہاں تیرے رفیق و ہم جلیس و ہمدم گلشن
پڑے ہیں ہائے آشفتہ و پژمردہ و بے خوشبو
تمنّا ہے کہ اتنی جلد میں بھی کاش مر جاؤں
رسوم ارتباط و مہر جب مٹ جائیں دنیا سے
اور اس سلکِ درخشان و ضیا انگیز اُلفت سے
بکھر جائیں جواہر ٹوٹ کر جس دم محبت کے

وفا آئین دل ہی جب پڑے ہوں ہائے آشفتہ
جب اہل مہر و اُلفت سب کے سب دُنیا سے اُٹھ جائیں
پھر ایسا کون ہوگا. آہ! بد اندیش و ظاہر بیں
کہ جو چاہے گا رہنا ایسی وحشت خیز دُنیا میں

منشی غلام مولیٰ

داستان اندھے لڑکے کی

ایک اندھا غریب تھا لڑکا
اپنے لوگوں سے ایک دن بولا
نہیں معلوم نور ہے کیا شے
کیا ہے بخشش جو رحمت حق ہے
دیکھتے ہو عجائبات جہاں
کہتے ہو آفتاب ہے رخشاں
گرم پاتا ہوں اس کو میں لیکن
نہیں معلوم رات ہے یا دن
میں بنالوں ہوں اپنے روز و شب
جب میں سوتا ہوں یا کہ کھیلوں جب
گر مرا جاگنا رہے قائم
دن ہی دن ہے مرے لئے دائم

اکثر اوقات حال پر اپنے
تم کو سنتا ہوں آہ غم بھرتے

نہیں معلوم مجھ کو جو نقصاں
نہیں صبر و تحمل اس پہ گراں

مجھ کو جو غم نہیں ہے تم وہ نہ دو
میری آسودگی نہ دور کرو

وقت گذرے ہے بے غمی سے مرا
رات دن ہوں یہی ترانہ سرا

گرچہ اندھا غریب لڑکا ہوں
شاہ ہوں اپنے دل کا راجا ہوں

سیّد احمد کبیر

اندھا لڑکا

اچھی امّاں روشنی کیا ہے بھلا؟
میری قسمت میں نہیں جس کا مزا
کیا ہیں آنکھوں میں جہاں کے فائدے
مجھ غریب اندھے کو بھی فرمایئے؟

تم عجب چیزوں کا کرتی ہو بیاں
کہتی ہو سورج سے روشن ہے جہاں
گرم تو پاتا ہوں میں اس کو ضرور
کیوں کر اس سے رات دن کا ہے ظہور؟

میں تو جب سوتا ہوں یا ہوں کھیلتا
اپنے روز و شب ہوں خود لیتا بنا

اور اگر میں جاگتا رہتا مدام
دن ہی دن تھا پھر تو مجھ کو صبح و شام

اِس مرض پر میرے تم کھاتی ہو غم
کھینچتی رہتی ہو آہیں دمبدم

جس زیاں کا علم پر مجھ کو نہیں
میں اٹھا سکتا ہوں اسکو بالیقیں

بات ہی جو اپنے قابو کی نہ ہو
کیوں کڑھیں اس کے نہ ہونے پر کہو؟

فکر کچھ رکھتا نہیں مسرور ہوں
کیا ہوا آنکھوں سے گر معذور ہوں

سیّد راحت حسین

طفلِ نابینا

ایک لڑکے نے جو نابینا تھا حیرت سے کہا
کوئی سمجھا دے ذرا مجھ کو کہ بینائی ہے کیا
روشنی کس چیز کو کہتے ہیں تم بتلاؤ تو
میں اٹھا سکتا نہیں جس کا کبھی ہرگز مزا
کیا ہیں افضال نظر اُن کو بیان تو کچھ کرو
ہیں فوائد اُس کے کیا کیا اور کیا اس کی ثنا
اچھے میرے آنکھ والو، تم سے ہے یہ التجا
کچھ کہو سمجھوں تو میں آخر یہ کیا ہے ماجرا

ذکر باہم کرتے ہو اشیائے حیرت خیز کا
جن کو تم آنکھوں سے اپنی دیکھتے ہو برملا
کہتے ہو سُورج چمکتا ہے سُنہری دھوپ سے
اور فضائے نیلگوں میں ہے بھری اس کی ضیا

کیا کہوں میری سمجھ میں بات کچھ آتی نہیں
مجھ کو تو بس گرم وہ محسوس ہوتا ہے ذرا
یا رو حیرت سی رہا کرتی ہے مجھ کو صبح و شام
رات دن سورج بناتا کس طرح ہے نت نیا

اور میں تو خود بنا لیتا ہوں اپنے رات دن
کھیلتا ہوں جب میں دن ہے، رات ہے جب سو گیا
یہ تو کیا ہے جاگنا ممکن برابر ہو اگر
دن ہو بس میرے لئے اور کچھ نہ ہو اس کے سوا

میری معذوری تمہارا دل دکھاتی ہے ضرور
سرد آہیں تم کو بھرتے میں نے اکثر ہے سُنا
پر یقین تم کو دلاتا ہوں نہیں پروا مجھے
کھو گئی وہ کونسی شے کیا نہیں مجھ کو ملا
صبر سے برداشت کر سکتا ہوں اس نقصان کو
جس کی مطلق کچھ نہیں مجھ کو خبر ہے کیا بلا

آرزو اُس شے کی کیوں دل میں ہو جو ممکن نہیں
کیا تمنا اُس کی ہو کیوں حال ہو اپنا بُرا
نور کا ہرگز نہیں طالب وہ مل سکتا نہیں
مجھ کو میرے حال پر رہنے دے خوش کیا فائدہ
جس گھڑی گاتا ہوں میں سلطان ہفت اقلیم ہوں
گرچہ اک طفل نابینا ہوں مفلس بے نوا

تصویرِ وفا

شام کا ہے وقت کچھ کچھ ہے اندھیرا چھا گیا
بادو باراں نے کیا ہنگامۂ محشر بپا
کانپ اُٹھتا ہے کلیجہ سرد چلتی ہے ہوا
بحرِ طوفاں خیز ہے گھیرے ہے طوفانِ بلا
کہہ رہا ہے ہائے اک آفت زدہ باچشمِ تر
کام اے ملّاح آتا ہے بشر ہی کے بشر
اک گنّی لے اور مجھ کو بحر کے اُس پار کر
حق تعالیٰ دے گا تجھ کو تیری نیکی کا ثمر

یُوں کہا ملّاح نے اے غمزدہ اندوہگیں
کون ہے تو، ساتھ تیرے کون ہے یہ نازنیں؟
گھر کو کوئی چھوڑ کر ایسے میں جاتا ہے کہیں
بات تیری تا قیامت ماننے کا میں نہیں

بولا اے ملّاح بندہ اُلّو کا سردار ہے
اور اُولن کی یہ دختِ غیرت گلزار ہے

ہم ہیں بھاگے جستجو میں لارڈ بیحد زار ہے
مل گئے تو جان پھر بچنی مری دشوار ہے
تین دن سے اُن کو ہے اپنی برابر جستجو
مل نہ جائے کچھ سُراغ آتے ہیں پیچھے تندخو
خون پروانے کا ہوگا روئے گی شمع لہو
بجھ کے رہ جائے گی میری ہائے شمعِ آرزو

یہ کہا ملّاح نے آتا ہوں میں دم بھر ٹھہر
کس لئے گھبراتا ہے بھائی خدا کو یاد کر
وہ ہی پہنچائے گا تجھ کو منزلِ مقصود پر
میں بھی کوشش کرتا ہوں اے کاش ہو وہ کارگر
مجھ کو کچھ لالچ نہیں ہے کر تو میرا اعتبار
آ رہا ہوں اب نہ کچھ کرنا پڑے گا انتظار
آسماں سے ہو رہی ہیں گو کہ موجیں ہمکنار
آنکھ بند کر کے خدا نے چاہا تو پہنچے گا پار

اتنے عرصے میں اٹھا طوفان وہ حد سے سوا
شورِ طوفاں شورِ محشر سے بھی بازی لے گیا
گفتگو جب کر رہے تھے وہ فلک برہم ہوا
روشنی غائب ہوئی بالکل اندھیرا چھا گیا

بعد ازاں کچھ تند تر ٹھنڈی ہوا ایسی چلی
رات طوفانی تھی گھبرانے لگا ہر اک کا جی
اتنے میں گھوڑوں کے ٹاپوں کی صدا آنے لگی
جس کو سن کر زور سے وہ نازنیں پکار اٹھی

جلد اُس ساحل پہ پہنچا دے ہمیں اے ناخُدا
ہائے اس طوفان میں اک اور طوفاں آگیا
شوق سے منظور ہے پانی میں مجھ کو ڈوبنا
باپ کا غصّہ نہ لیکن مجھ سے دیکھا جائے گا

لے چلا کشتی کو آخر وہ بہادر ناخدا
سامنے نظروں کے اس کی بحرِ طوفاں خیز تھا
بڑھتے بڑھتے اس قدر آخر کو وہ طوفاں بڑھا
ہو نہیں سکتا تھا جس پر دسترس انسان کا

پھر بھی وہ کشتی چلانے میں رہے کوشاں سوا
تھی تلاطم میں وہ کشتی ناموافق تھی ہوا
لارڈ اُولن پہنچا اس ساحل پہ غصے میں بھرا
دیکھ کر منظر وہاں کا یک بیک وہ رو اٹھا

وہ اندھیرا اور طوفاں تھی قیامت سامنے
پیاری بیٹی کو بھی دیکھا باپ نے یوں ڈوبتے
اپنے عاشق کی کمر میں ہاتھ اک ڈالے ہوئے
دوسرا اوپر اٹھائے تھی مدد کے واسطے

رو کے یوں وہ دل شکستہ زور سے کہنے لگا
واپس آ اے پیاری بیٹی! واپس آ بہرِ خُدا!
عفو کرتا ہوں گنہ دل سے ترے محبوب کا
اے مری نورِ نظر اے میرے آنکھوں کی ضیا!

واپس آنا اور مدد پہنچانا تھا مشکل ادھر
کام اپنا کر رہا تھا بحرِ طوفاں خیز اُدھر
دیکھتے ہی دیکھتے کشتی ہوئی زیر و زبر
رہ گیا ساحل پہ اُف کوئی کلیجہ تھام کر

محمد عباس کاظمی نیشاپوری

لارڈ ٹیولین کی لڑکی حسرتناک منظر

ملّاح سے کہہ رہا تھا سردار
لے چل ہمیں جلد جھیل اس پار
پرُ ہول اگرچہ یہ سفر ہے
رکنے پہ بھی جان کا خطر ہے
موجیں ہیں غضب کی دیکھتا ہوں
دشمن ہم سب کی دیکھتا ہوں
گوشہ نہیں عافیت کا کوئی
ہے موت وہاں بھی اور یہاں بھی
زوروں سے جو چلتی ہیں ہوائیں
کس درجہ مہیب ہیں صدائیں
ملّاح یہ سُن کے بول اُٹھا
کون آپ ہیں کہئے تو خدا را

اس وقت ہوا ہے کیسے آنا
منظور ہے کس جگہ پہ جانا؟
فردوس سے کیا ہیں آپ آئے
یہ حور کہاں سے ساتھ لائے؟
کہنے لگا اس سے تب یہ سردار
اب دیر لگائیو نہ زنہار
تجھ پر نہیں کیا یہ آشکارا
یولین کی آنکھ کا ہے تارا
دو دن سے ہمارے پیچھے دوڑے
آتے ہیں سوار باگ چھوڑے
پاجائیں اگر وہ ہم کو اس جا
زندہ چھوڑیں ہمیں نہ اصلا
القصہ سُنا کے یہ فسانہ
ساحل سے ہوئے سبھی روانہ
طوفان میں کشتی ڈگمگاتی
جاتی تھی غموں کے گیت گاتی
تھا پیش نظر جہاں یہ منظر
یولن بھی پہونچ گیا وہاں پر
دیکھا تو رہا نہ دل پہ قابو
آنکھوں میں بھر آئے غم کے آنسو

چلّایا کہ لوٹ آ دل افگار
پیارے سے ترے میں کرتا ہوں پیار

موجیں تھیں چہار سمت گھیرے
لہریں تھیں زلفوں کو بکھیرے

ممکن نہ بلا سے تھی رہائی
کشتی نے کوئی اماں نہ پائی

باچشم پُر آب و قلب مضطر
تکتی تھی فلک وہ حور پیکر

اک ہاتھ کمر میں اس کی ڈالے
کہتی تھی کوئی ہمیں بچالے

تھا کون وہاں بچانے والا
جز مرگ تھا کون آنے والا

جب تیز چلا ہوا کا جھونکا
بس گل تھا چراغ زندگی کا

آخر ہوئی عمر روشنی کی
کشتی تہہ آب آہ ڈوبی

روتی تھی قضا بھی بے کسی پر
دکھلائے خُدا نہ ایسا منظر

طالب

نواب اُلّن کی بیٹی

اک امیر مقتدر اور دوسری اک گلعذار
سخت عجلت میں رواں ہیں دونوں گھوڑے کے سوار

راہ میں ملتا ہے ناگہ ان کو اک رودِ عظیم
مردِ کشتی بان سے کہتا ہے امیرِ باوقار

اشرفی اک دوں گا تجھ کو نقد مزدوری تری
بے توقف تو ہمیں کر دے اگر دریا کے پار

بولا کشتی باں وہ کہاں سے آئے ہو تم کون ہو
کون سی ایسی مصیبت ہے، بھلا تم پر سوار؟

سخت طوفاں خیز ہے اسوقت رودِ اپج گانگ
آسماں سے ہو رہی ہیں اس کی موجیں ہمکنار

ہے عبور اس پر سے بالکل ایسی حالت میں محال
ہے سراسر غیر ممکن ایسی صورت میں گذار

اس کی جانب پاس سے یوں دیکھ کر بولا امیر
ہے بڑا قصہ۔ مراسُن تو مگر بالاختصار

میں ہوں سردار جزیرہ جس کا الوا نام ہے
اور یہ ہے دختر نوّاب اُلّن نامدار

تین دن گذرے ہیں ہم کو بھاگتے بے آب و نان
ہیں تعاقب میں ہمارے ان کے والد کے سوار

آ گیا نوّاب دنے گر ہم کو اس گھاٹی میں آج
خون سے میرے بنیں گی جھاڑیاں یہ لالہ زار

غم نہیں مرنے کا مجھ کو، بلکہ گر بخشے خُدا
حسن کی دیوی پہ اپنی میں کروں سو جاں نثار

مجھ کو خدشہ ہے فقط اس بات کا مرنے کے بعد
میری پیاری دلربا کا کون ہوگا غم گسار

دل دہی اس کی کرے گا کون؟ گر ہو یہ ملول
اس کے آنسو کون پوچھے گا؟ جو ہو یہ اشکبار

دل بھر آیا سن کے یہ سب، ماجرا ملاح کا
جوش میں آ کر کہا ہو جاؤ کشتی پر سوار

اشرفی کا آپ کی مجھ کو نہیں لالچ جناب
آپ کی دلبر کی خاطر سر پہ لیتا ہوں بار

پُر خطر بے شک ہے اس جا آپ کا اس دم قیام
کب گوارا ہے مجھے خطرے میں ٹھہرے یہ نگار

ہے تلاطم سخت دریا میں مگر پروا نہیں
گر خدا چاہے تو کر دوں گا تمہیں کشتی میں پار

ہو گیا اس درمیاں میں اس قدر طوفاں شدید
آرہی تھی قعرِ دریا سے صدائے گیرو دار

چرخ بھی چیں بر جبیں تھا لکہ ہائے ابر سے
عرصۂ عالم نظر آتا تھا سب تاریک و تار

دفعتاً آنے لگی گھوڑوں کے ٹاپوں کی صدا
جس سے ظاہر تھا کہ سر پر آگئے ظالم سوار

بولی یوں گھبرا کے کشتی بان سے وہ ناز آفریں
دیکھ جلدی کر کہ اب بالکل نہیں وقتِ قرار

قہرِ طوفاں کا مجھے منظور ہے سہنا، مگر
خشم کی حالت میں ہونگی میں نہ واں سے دوچار

چل پڑی کشتی کنارے سے مگر کس حال میں
لطمہ زن تھی موجِ دریا از یمین و از یسار

کش مکش میں جان تھی ملاّح کی بے حد، مگر
حالتِ عشاق کہتی تھی کہ ہاں ہمت نہ ہار

خندہ زن تھا آبِ دریا یوں کہ اے خاکی نژاد
بس نہیں چاند کا اگر تو اک نہیں کوشش ہزار

قہر شفقت سے مبدل ہو گیا تو آب کا
دیکھ کر یہ منظرِ پر ہول و جوش رود بار

لاڈلی بیٹی کو دیکھا رنج و محنت میں اسیر
شدّتِ طوفاں سے تھی وہ یاس و حرماں کا شکار

ایک دستِ نازنیں پھیلا تھا استمداد کو
دوسرا تھا عاشقِ غمناک کی گردن کا ہار

پھٹ گیا اس کا کلیجہ دیکھ کر بیٹی کا حال
غم کے لہجہ میں پکارا ہو کے اس کو بے قرار

نورِ چشمی لوٹ آ اس بحرِ طوفاں خیز سے
بخشدوں گا تیرے عاشق کی خطائیں ایکبار

التجا بے سود ٹھہری کیوں کہ مثلِ فیلِ مست
مارتی تھیں ٹھوکریں ساحل کو موجیں بار بار

یہ نہ تھا ممکن کہ پہنچے کچھ مدد اس کو وہاں
اور نہ آساں تھا کہ کشتی لوٹ آئے بر کنار

کی نہ کچھ اہلِ زمیں نے قدر اسکی اس لئے
لے لیا دریا نے آخر کو وہ درِّ شاہوار

تک رہا تھا سوئے دریا مثلِ بت تو آب اور
تھا بندھا آنکھوں سے اس کی متصل اشکوں کا تار

ہاتفِ غیبی نے آ کر کان میں اس کے کہا
کیوں کھڑا روتا ہے آخر اس قدر زار و قطار

"یہ چہ دانی؟ ہر کہ میداند شناور بحرِ عشق
غرق در بحرِ فنا ہرگز نہ گردد یاد دار"

زمانہ کانپور ستمبر ۱۹۲۷ء

سیّد علی سجّاد دہلوی

ایک گھرانے کی قبریں

سب پھول تھے ایک ہی شجر کے
گویا تھے چراغ سارے گھر کے

وہ ایک ہی جگہ پلے تھے
اور حسن کے ساتھ بڑھ رہے تھے

کیا وقت وہ تھا جو سب بہم تھے
عنقا الم و ملال و غم تھے

سب خوش تھے عجب دلوں کو کل تھی
اُن کے دم سے چہل پہل تھی

قبروں میں ہائے اب وہ تنہا
حائل ہیں پہاڑ اور دریا

ماں عاشقِ زار اور شیدا
ہر شب دستور تھا یہ اس کا

کس پیار سے سوتے میں وہ جھک کے
بوسے لیتی تھی میٹھے میٹھے

ہر چند وہ پھول بے کھلے تھے
کیا کچھ نہیں ماں کے حوصلے تھے
رہتے تھے نظر کے سامنے سب
پروا نہ تھی سب پہ دن ہو یا شب
افسوس کہ اب وہی نہاں ہیں
اے موت بتا کہ سب کہاں ہیں؟

اُس بانی میں ایک کی ہے تربت
جس کی ہے بہت سیاہ رنگت
ہے ایک کی خواب گاہ اے وا!
جنگل سُنسان امرکہ کا
سُنتا ہوں غریب کی لحد پر
ہے سایہ کیئے ہوئے صنوبر

اس بحر میں ڈوبا ایک اکیلا
پانی جس کا ہے خوب نیلا
اس جا سوتا ہے تہ کے اندر
جس جا سے نکالتے ہیں گوہر
آبی تربت پہ اس کی اصلا
اب کوئی نہیں ہے رونے والا

اسپین میں ایک سو رہا ہے
اس قبر پہ ناک رو رہا ہے
شمشیر زنی زبس رہی واں
ندّی اک خون کی بہی واں
رات کو لئے تھا کس ہنر سے
باندھے مضبوط تھا کمر سے
دشمن کہیں چھین کر نہ لے جائیں
اُلٹی نہ اُسے شکست دے جائیں

اک اُن میں سے دفن اب وہاں ہے
مہندی کا بڑا شجر جہاں ہے
ہلکے ہلکے ہوا کے جھونکے
مِل کر شاخوں سے پھنگیوں سے
برساتے ہیں پتّیاں وہ اتنی
چادر بن جائے اک لحد کی
جا کر وہ اطالیہ مری ہے
پھولوں کی جہاں بہار بھی ہے
گھر بھر میں وہی تو اک حسیں تھی
پیاری صورت تھی نازنیں تھی

سوتے ہیں الگ الگ وہ دلبر
جس جا جنھیں لے گیا مقدّر
وہ میٹھے سروں میں اُن کا گانا
گا گا کے ہر اک کا دل لُبھانا

آتش خانہ بھی گونج اٹھتا
یہ حال تھا اس گھڑی صدا کا
ہر وقت ہنسی تھی قہقہے تھے
آپس میں مذاق چہچہے تھے
اے موت غضب کا سامنا تھا
ہوتا اندھیر ہائے کیسا
برباد یہ ساری زندگی تھی
مٹی تھی خراب پھر وفا کی
ہوتا جو نہ حشر کا سہارا
ملنے کا طریقہ اور کیا تھا

رضا صدیقی

ایک خاندان کی قبریں

ساتھ کھیلے ساتھ ہی نشو و نما پاتے رہے
اک جگہ سب بیٹھتے اٹھتے رہے کھاتے رہے
روشنی سے اپنی سب اک گھر کو چمکاتے رہے
سب کے سب مل کر گلے دل اپنا بہلاتے رہے
موت نے ان سب میں آخر کو جُدائی ڈالدی
اب جُداگانہ ہیں قبریں ان کی ہائے بیکسی
ہائے وہ بچے کہ جن کے پھُول سے رخ کی بہار
باعث تسکین دل اور مایۂ عیش و پیار
جن کے جلوہ سے منوّر دیدہ ہائے بے قرار
جن کی خواب آلودہ آنکھوں پر دل مادر نثار
ایک ہی بستر پہ جو جلوے دکھاتے تھے کبھی
آج حائل ہو رہی ہے اُن میں خشکی و تری

وادیِ مغرب میں دریا کے کنارے اک ہرا
پُرخطر صحرا میں اس بےکس کا ہے لاشہ پڑا
ہائے حسرت وائے ناکامی یہ تونے کیا کیا
اب اُسے کوئی نہیں پہچانتا پہچانتا
بدلوں کو اس قدر اس کا نشاں معلوم ہے
سرد کے نیچے ہے اس کی قبر ہاں معلوم ہے

قعرِ دریا میں پڑا ہے دوسرا دُرِّ یتیم
قالبِ بےجان و بےحس اور باحوالِ سقیم
رونے والا ہے نہ کوئی اور نہ ہے کوئی ندیم
مضطرب ہے اُس کی حالت دیکھ کر ہر اک الیم
ہر صدف ہے دم بخود جگر میں ہے ہر اک حباب
لاش اس بےکس کی کیا تنہا پڑی ہے زیرِ آب

جان دینے کو گیا تھا تیسرا سوئے جنوب
ہے درخت انگور کا اس کی لحد پر کیا ہی خوب
معرکہ اسپین کا ہنگامہ آرائے حروب
کانپتے ہیں آج تک جس سے زمانے کے قلوب
اس بہادر نے وہیں دادِ شجاعت پائی تھی
کھینچ کر اس کو یہاں تک موت اسکی لائی تھی

چوتھی وہ کمسن کنواری ناز پروردہ پری
حسن کی دیوی، نزاکت جس کی گھٹی میں پڑی
موت اس کی بھی جو آپہنچی تو آکر کب ٹلی
آج وہ ہے اور سرہانے اس کے مرگ بےکسی
لوٹتی ہے اس کے قدموں پر ہر اک شاخ حنا
ہوگئی مرجھا کے وہ اُٹلی کے پھولوں میں فنا

آہ! وہ سب ہیں جدا ہر وقت جو باہم رہے
اک جگہ جو کھیلتے تھے اک جگہ جو بیٹھتے
ایک تھیں جن کی دُعائیں، ایک جن کے ولولے
ایک گھر میں اک زمانہ میں جو تھے سارے پلے
جن کے دم سے گھر کا گھر عشرت کدہ مشہور تھا
نور سے چہروں کے جن کے خاندان معمور تھا

تلوک چند محروم

ایک خاندان کی قبریں

پروان ایک گھر میں چڑھے سب ہی ایک ساتھ
معمور ان کے دم سے تھا کاشانہ ایک ہی
حائل ہیں درمیاں میں اب دشت و بحر و کوہ
اک دوسرے سے دور ہیں قبریں جُدی جُدی

اک مادرِ شفیق! کہ اُٹھ اُٹھ کے رات کو
تھی مامتا سے ہر رُخِ زیبا پہ جھانکتی
منہ بند غنچے آہ! جو تھے اس کے روبرو
وہ خفتگانِ ناز ہوئے محو نیستی

جنگل میں ایک ہے نئی دنیا کے سورما
دریا کنار، سبزۂ اخضر کے سائے میں
دیتے پتا ہیں انڈین اُس کے مزار کا
آبادیوں سے دور، صنوبر کے سائے میں

ہے دوسرا پڑا ہوا آغوشِ بحر میں
نیچے، جہاں پڑے ہیں گہر جگمگا رہے
وہ ایک ساحری تھا محبت کے سحر میں
جو پائے قبر اس کے ہیں آنسو بہا رہے

ہے تیسرا جنوب میں مستِ مئے فنا
بیلیں چڑھی ہیں تاک کی خاکِ شہید پر
ہسپانیہ کے معرکۂ جنگ میں گرا
پرچم کو اپنے سینے پہ تھامے رہا مگر

چوتھی وہ رشکِ گل کہ نسیم بہار سے
مہندی کے برگ جھڑتے ہیں جس کے مزار پر
ملکِ اطالیہ میں پڑی زیرِ خاک ہے
تھی جس سے یادِ صحبتِ دیرینہ تازہ تر

اک دوسرے سے دور ہیں خوابیدہ زیرِ خاک
جو اک شجر کے سائے میں کھیلا کیے کبھی
کرتے تھے مل کے وقت دعا حمدِ ذاتِ پاک
وابستہ ایک دامنِ مادر سے تھے سبھی

تھی گھر میں ان کے نورِ تبسم سے ایک ضیا
نغموں میں وہ خوشی تھی کہ دیکھی سُنی نہ ہو
کس درجہ یاس خیز ہے اُلفت کی انتہا
اس زندگی کے بعد اگر زندگی نہ ہو

منشی غلام مولیٰ

حکایت پسر ناخدا

ایک جنگی جہاز میں جو آگ
لگ گئی، آدمی گئے سب بھاگ

ناخدا کا فقط رہا لڑکا
کھم سا بالائے بام حجرہ کھڑا

تھی محیط آتش جدال و قتال
پر کھڑا تھا بہ آب و تاب کمال

برق رخسار سے نمایاں تھی
افسری فوج باد و طوفاں کی

گو وہ کم سن ولے بہادر تھا
مردم دیدۂ تہوّر تھا

شعلہ سرگرم حملہ تھا پہ فرار
باپ کے اذن بن وہ سمجھا عار

پدر خستہ مضطرب احوال
تہ میں بے خود تھا مردہ مثال
استماع سوال سے معذور
لاجرم تھا جواب سے مجبور
عاقبت باپ کو پکارا حزیں
مجھ کو ہے حکم جاں بری کہ نہیں
غافل اس سے کہ وہ حباب آسا
آشنائے محیط مرگ ہوا
جب نہ پایا جواب پھر بھی ہوا
ملتمس باپ کی اجازت کا
اتنے میں شعلہ پاس آپہنچا
غرشِ توپ نے جواب دیا
ہوگئی آگ موج زن ہر سو
جل گئے موئے کاکل و ابرو
حالتِ نزع گرچہ تھی طاری
پر عیاں رُخ سے تھی جگرداری
برق وش پھر کڑک کے بولا یوں
اے پدر اب بھی کیا کھڑا ہی رہوں

پھر تو آتش ہوئی محیط جہاز
بادبان و رسن میں بخیہ طراز
چڑھ گیا جست کر کے یک بارہ
شعلہ جھنڈے پہ شکل فوّارہ
اور پھریرہ سا وہ فلک فرسا
اس بہادر کے سر پہ لہرایا
مشتعل کر کے بادبان و طناب
چھا گیا مثل چادر مہتاب
آئی لڑکے کے پھٹنے کی یک بار
ایک آواز صاعقہ کردار

آہ اس وقت کا کوئی پوچھے
ماجرا باد آتش افگن سے
جس نے دریا میں کر دیئے پرزے
دم میں کشتی کے اور سکّاں کے
گرچہ واں پر جہاز خوب لڑا
اور شجاعوں نے کام اپنا کیا
سب سے نایاب تر زروے شرف
دل کو دک تھا وہاں ہوا جو تلف

سعیدالدین خاں سعید

کیسا بلا لڑکا

لئے عزم بالجزم تنہا کھڑا تھا
اسی جلتے عرشہ پہ جانباز لڑکا
جل اٹھا تھا جس سے جہاز شکستہ
چمکتا تھا گرد اس کے لاشوں پہ شعلہ

وہ بچہ تھا لیکن غیور اور ذی شان
رگوں میں تھا جس کے رواں خون ترکان
کھڑا تھا وہ اس شان سے بے ہراساں
کہ تخلیق تھا بہر تسخیر طوفان

لپکنے لگے شعلے خطرہ بڑھا تھا
بغیر اذنِ والد وہ ہلنا نہ چاہا
صدا اس کی سنتا نہ تھا باپ اُس کا
کبھی کا تھا اس کو اجل نے دبوچا

صدا پر صدا دے رہا تھا پتا جی
مرا کام کیا اور بھی کچھ ہے باقی؟
نہ تھا علم اس کو وہ سالارِ غازی
پڑا تھا نراسا قفنا تھی جو طاری

پکارا کہ ابّا جہاں بھی ہو بولو
اجازت ملے جانے کی جلد مجھ کو
گرج کر دھاکوں نے رہ رہ کے پھر تو
دیا آتشیں اک جواب آخر اس کو

کیا لمس شعلوں نے اس کی جبیں پر
لگے جھومنے گیسوئے عنبریں پر
نظر تھی اُدھر جائے مرگ مبیں پر
مگر پھر بھی ثابت قدم تھا یقیں پر

دھویں کے تھے حلقے بھڑکتے تھے شعلے
گذرتے تھے جو بادبان و رسن سے
پھر اک بار آواز دی قبلہ گاہ سے
ابھی اور کب تک یہاں بندہ ٹھہرے

گلے مل گیا اک بیتاب شعلہ
لپٹ میں جہاز آگیا، پھر پھریرا
سرِ طفل جانباز یوں اب وہ جھوما
کوئی چرخ پر جیسے لہرائے جھنڈا

ہوا رعد کا سا فضا میں دھماکا
کہاں اب ہے باقی اطاعت کا پتلا
ہوا، بول ہر ٹکڑا اس کے بدن کا
سمندر کی موجوں پہ کس نے بچھایا

گراں مایہ پتوار و مستول و پرچم
ہر اک نے کیا ہے ادا فرض پیہم
مگر تھی جو شے سب سے افضل مقدم
وہ لاریب تھی مرگ طفلِ مکرم

بدرالزماں بدرؔ

کیسا بلا لڑکا

کشتیٔ آتش زدہ پر ایک لڑکا تھا کھڑا
سب کے سب بھاگے مگر تنہا وہی واں رہ گیا
شعلے جو کرتے تھے ظاہر جنگ کی بربادیاں
اس کے اور لاشوں کے گرداگرد روشن تھے وہاں
بے ہراس اور خندہ رُو لیکن وہاں تھا یہ کھڑا
خلق طوفان پر حکومت کرنے کو گویا ہوا
خون تھا مردانگی کا جوش زن دل میں ضرور
بھولی بھالی شکل تھی لیکن بہت تھا وہ غیور
اُڑ رہے تھے شعلے پر مرکز سے وہ ٹلتا نہ تھا
دے اجازت باپ تو واں سے ٹلے وہ باوفا
باپ اس کا نزع کے عالم میں تھا نیچے پڑا
ایسی حالت میں صدا بیٹے کی کیا سُنتا بھلا

چیخ کر اُس نے پکارا، کہئے ابا! بولئے!
کام کچھ باقی ہیں اب تک میرے یا سب ہو چکے

کیا خبر تھی اس کو یہ اس وقت وہ جنگ آزما
حال سے بیٹے کے اپنے بے خبر ہے یوں پڑا

بولئے ابّا مرے اک بار پھر وہ چیخ اٹھا
وقت ہے باقی ابھی ہو حکم تو جاؤں چلا

اور کہہ کر رک گیا لیکن جواب اس کے لئے
باپ تو بولا نہیں، گولے چلے شعلے بڑھے

کچھ جبیں پر گرمیاں محسوس ہوتی تھی وہاں
اڑتی تھی بالوں کے گرد اگرد کچھ چنگاریاں

اس مقام موت میں گرچہ وہ تھا تنہا کھڑا
سرنگوں چپ چاپ لیکن پاس ہمت ساتھ تھا

پھر بڑے زوروں سے اور اک بار چلّایا وہ یوں
اے پدر کیا مرتے دم تک میں یہیں ٹھہرا رہوں

بادباں سے ناگہاں نکلے بگولے آگ کے
اور جھپٹے دفعتہً تیزی سے اس کے سامنے

پہلے تو کشتی سے لپٹے وحشیانہ شان سے
پھر نشانوں میں بلندی پر وہ چڑھ کر جا لگے

یوں بہادر طفل کے پھر سر پہ اُڑ کر آپڑے
جس طرح افلاک پر لہراتے ہوں جھنڈا بڑھ کر

پھر گرج نے رعد کی سی کر دیا محشر بپا
آہ! وہ بچہ! کوئی للہ کہہ دے کیا ہوا

اے ہوا تو ہی بتا دے کچھ نشان اس چیز کا
دور تک دریا پہ تو ہر چیز کو پہونچا دیا

بادبان مکان جھنڈے تو یقینی اس گھڑی
کر چکے ہیں خوب ادا سب اپنا فرض منصبی

لیکن اک نایاب شے جو ہو گئی غارت یہاں
یاد رکھو ہے دل نوخیز صادق بے گماں

ڈاکٹر اقبال

بلبل اور جگنو

سرِ شام ایک مرغِ نغمہ پیرا
کسی ٹہنی پہ بیٹھا گا رہا تھا
چمکتی چیز اک دیکھی زمیں پر
اڑا طائر اسے جگنو سمجھ کر

کہا جگنو نے او مرغِ نوا ریز
نہ کر بے کس پہ منقارِ ہوس تیز
تجھے جس نے چہک گُل کو مہک دی
اسی اللہ نے مجھ کو چمک دی

لباسِ نور میں مستور ہوں میں
پتنگوں کے جہاں کا طور ہوں میں

چہک تیری بہشت گوش اگر ہے
چمک میری بھی فردوس نظر ہے

پروں کو میرے قدرت نے ضیا دی
تجھے اُس نے صدائے دلربا دی

تری منقار کو گانا سکھایا
مجھے گلزار کی مشعل بنایا

چمک بخشی مجھے آواز تجھ کو
دیا ہے سوز مجھ کو ساز تجھ کو

مخالف ساز کا ہوتا نہیں سوز
جہاں ساز کا ہے ہم نشیں سوز

قیام بزم ہستی ہے انھیں سے
ظہور اوج و پستی ہے انھیں سے

ہم آہنگی سے ہے محفل جہاں کی
اسی سے ہے بہار اس بوستاں کی

منشی غلام مولے

بیان کرمک

ہے ترے پانوں کے تلے کیڑا
نہیں لازم کہ تو ملے کیڑا

کرم اگرچہ غیر خشک پوست نہیں
بے تماشائے صنع دوست نہیں

جس خداوند نے کہ تجھ کو دی
اور کُل ذی حیات کو ہستی

ایک شمہ اسی کے جود کا ہے
جو سبب کرم کے وجود کا ہے

چاند سورج بنائے اور تارے
کہہ و مہہ اس نے منتفع سارے

سبزہ کو کردیا زمیں کا بساط
تا رہیں ذی حیات گرم نشاط

چند روزہ حیات کیڑوں کی
نہ ستا، ہونے دے بسر بخوشی
بیش و کم جو حق ہے اُن پر ہو
ہونے دے اس سے منتفع ان کو
ایسی بے اعتنائیوں سے ملے
ان کی وہ جان کہ پھر تو دے نہ سکے

بدرالزّماں

عندلیب اور کرمک شب تاب

عندلیب خوشنوا اک صبح سے تا وقتِ شام
کرتی تھی قریہ کو اپنے زمزمہ سے شادکام
ہو گئی گو چرخ سے زائل شفق کی روشنی
بند اُس کی زمزمہ خوانی نہیں لیکن ہوئی
ایسی حالت میں لگی محسوس ہونے بھوک پیاس
شدّتِ جوع و عطش سے ہو گئی وہ بدحواس
گرد اپنے جب نگاہِ شوق سے دیکھا وہاں
تو نظر آئی زمیں پر ایک شے سی ناگہاں
ظلمتِ شب میں چمکتی تھی وہاں کچھ فصل پر
کرمکِ شب تاب اس کی ضو سے وہ سمجھی مگر
بس زمیں پر اتری وہ شاخِ گلِ پُرخار سے
جی میں تھا لقمہ بنائے کرم کو منقار سے

کرمکِ شب تاب نے یہ چال اُسکی تاڑ لی
کچھ عجب معجز بیانی سے مخاطب یوں ہوئی

کاش میری شمع کا پروانہ بن اے عندلیب
جان میری جیسی ہے تیری صدا کی عندلیب

ہو وہی نفرت میرے برباد کرنے میں تجھے
جیسی نفرت ہے ترے نغمے کے مٹنے سے مجھے

کیوں کہ یہ ہیں ایک ہی صانع کے انداز و ادا
روشنی مجھ کو عطا کی تجھ کو خوش الحاں کیا

نغمہ و ضو سے جہاں باہم مسخر کر سکیں
اور شب کی بھی بہار افزائی مل کر کر سکیں

جب سنی بلبل نے یہ تقریرِ دلکش دل رُبا
کرمکِ شب تاب کی دل سے ہوئی مدحت سرا

چھوڑ کر اس کو کیا بلبل نے کچھ سامان اور
کر لی اپنے کھانے کی تدبیر تا امکان اور

جنگ جو ہمسائے حاصل اس سے کچھ عبرت کریں
اپنے اپنے نفع اصلی کی کوئی صورت کریں

بھائی بھائی سے نہ آپس میں کریں جنگ و جدال
تا رہیں محفوظ آفت سے ہر اک کے جان و مال

پیارے مل جل کے گائیں چمکیں جب تک ہے حیات
زندگی میں ہو بسر آرام سے غربت کی رات

ارشد صدیقی

ترانۂ زندگی

سناؤ مجھ کو نہ اس طرح غم زدہ نغمے
"کہ زندگی تو فقط خواب ہے خلاؤں کا"
وہ روح جو نہ ہو بیدار روحِ مردہ ہے
معاملات بظاہر کچھ اور ہوتے ہیں

حیات ایک حقیقت ہے اک صداقت ہے
اور اس کی منزل مقصود صرف قبر نہیں
"تو ایک پیکر خاکی ہے ہوگا خاک سپرد"
یہ حکم روح کے بارے میں کب ہوا تھا مگر

الم ہو یا کہ مسرت یہ دونوں کیفیات
نہ زندگی کا مقدر نہ اپنی قسمت ہیں
مگر عمل کہ یہی زندگی کا حاصل ہے
اسی سے ہوتا ہے انسان کی زندگی کو فروغ

لہ ہم ترجمے ساز مغرب حصہ اول صفحات ۵۴ و ۵۵ حصہ دوم صفحہ ۱۲۸ پر دیکھئے۔

عمل طویل ہے اور وقت اڑتا جاتا ہے
اور اپنے قلب جو ظاہر میں ہیں قوی و جری
دھڑکتے رہتے ہیں اس غمزدہ دہل کی طرح
جنازہ لیکے جو جاتا ہے قبر کی جانب

یہ رزم گاہ جہاں ایک وسیع میداں ہے
یہاں ہر ایک قدم پر ہے کارزار حیات
چلو نہ رینگتے گونگے مویشیوں کی طرح
یہاں کے جہد و عمل کے لئے دلیر بنو

کرو نہ "کل" پہ بھروسہ وہ خوشگوار سہی
"گذشتہ کل"، کو بھی چھوڑو، وہ کل تو مردہ ہے
عمل کو "آج" سے نسبت ہے آج کام کرو
ہو دل میں عزم تو قدرت بھی ساتھ دیتی ہے

عظیم زندگیاں ہم کو یہ بتاتی ہیں
کہ ہم بھی زندگی اپنی سنوار سکتے ہیں
اور اس جہاں سے ہوں رخصت تو چھوڑ سکتے
نقوشِ پائے عمل ریگ وقت پر ہم بھی

نقوش جن سے کوئی اپنا دوسرا بھائی
جو بحرِ ہستی خاموش سے گذرتے ہوئے
سہم رہا ہو اکیلا شکستہ کشتی میں
نئے سفر کیلئے پھر سے تازہ دم ہو جائے

تو پھر اٹھو کہ کوئی کام اختیار کریں
رہیں ہر اچھے بُرے حشر کے لئے تیار
بنائیں جہد مسلسل کو زندگی کا شعار
عمل کے بعد نتیجے کا انتظار کریں

ہم ترجیے سازِ مغرب حصہ اول صفحات ۳۴ و ۵۵ اور حصہ دوم ۱۲۸ پر دیکھئے۔

سیّد احمد کبیر

سرودِ زندگی

ہم سے یہ رونا روؤ نہ ہر آں
ہستی ہے اک خوابِ پریشاں
مردہ ہے وہ روح جو سوئے
بات نہیں جو لوگ ہیں سمجھے

عالم ہستی ہے بیداری
قبر نہیں ہے غایت اس کی
مٹّی ہے تو مٹّی میں ملے گا
روح کی جانب کب ہے اشارا

عیش و طرب یا رنج و زحمت
اپنی نہیں ہے اصل و غایت
بلکہ رہیں یوں محوِ ترقی
آج سے کل بہتر ہو اپنی

فضل و ہنر کی حد نہیں ہارے
وقت ہے جاتا بھرے طرارے
گو ہے ہمارے قلب میں ہمت
ہاتھوں میں کس بل پاؤں میں طاقت
لیکن سینے میں نوبت آسا
پڑتا ہے ہر دم کوچ کا ڈنکا

دُنیا کے میدان وغا میں
عمر کی دار و گیرِ بلا میں
ہنکتا نہ جا جُوں بے بس حیواں
ہاتھ دکھا بن مردِ میداں

ہو کتنا ہی خوش کُن فردا
رکھیے نہ ہرگز اُس پہ بھروسا
اور نہ رو مافات کا دکھڑا
رہنے دے مُردہ دبا دبایا
حاضر ناظر حق کو سمجھ کے
کرنا ہے تو اب کچھ کر لے

کہتی ہے تاریخ سلف کی
ہم بھی سدھاریں حالت اپنی

نقشِ قدم کو دائیں بائیں
راہ میں اپنی چھوڑتے جائیں

تا کوئی راہی بھولا بھٹکا
پائے جو راہ عمر میں کھٹکا
چھوڑے نہ جی تنہائی کے غم سے
پاتے ڈھارس نقشِ قدم سے

آؤ پھر راضی برضا ہو
سعی پہ کیجئے چُست کمر کو
رہتے ہو کسب فضیلت
گنج ہے مزد رنجِ محنت

پتمبر پرشاد اختر

مسرّت آزادی

وہی شاد آزاد ہے اِس جہاں میں
نہیں ہے کسی کا بھی جو زیرِ فرماں
خیالاتِ نیک اس کے حافظ ہیں ہر دم
صداقت کے جوہر ہیں جس میں نمایاں

نہیں جس پہ کچھ خواہشِ نفس غالب
نہیں موت سے اپنی جو کچھ ہراساں
نہیں جو اسیرِ ہوا و ہوس کچھ
نہ شہرت کا طالب نہ شوکت کا خواہاں

نہیں جس کو رشکِ ترقی کسی کا
نہیں جو کسی کے تنزّل پہ خنداں
بہی خواہیٔ قوم کی دھن میں جس کو
کبھی کچھ نہیں خوفِ افتادِ دوراں

نہ مطلب کسی کی بھلی اور بری سے
نہ آب معاصی سے تر جس کا داماں
نہ اہلِ خوشامد کو کچھ فیض جس سے
نہ غمّاز و بدگو سے کچھ جس کا نقصاں

جو اپنے دل و جاں سے کرتا ہے دائم
کبھی حمدِ یزداں کبھی شکرِ یزداں
کبھی محوِ درسِ روایاتِ مذہب
کبھی وصلِ احباب سے ہے جو خنداں

غلامی کی زنجیر سے وہ رہا ہے
نہ پستی سے محزوں نہ رفعت سے شاداں
نہیں گو وہ کچھ پھر غنیمت ہے اختر
کہ مختار ہے آپ اپنا وہ انساں

سنت لال عنبرؔ

اچھی زندگی

وہ بسر کرتا ہے اچھی زندگی جو نہیں ہے تابعِ فرمانِ غیر
اپنی مرضی پر جو چلتا ہے مدام کرتا آزادی سے ہے دُنیا کی سیر

دل پہ رکھتا ہے جو پورا اختیار جو نہیں ہے نفس کا اپنے غلام
اپنا آقا اپنا نوکر آپ ہے اپنی مرضی سے ہے کرتا اپنا کام

اپنی قسمت کا نہیں جس کو گلا جو سدا ہر حال میں خوش حال ہے
صبر سے رکھتا ہے جو دل کو غنی مفلسی میں بھی وہ مالامال ہے

اپنی ہمت کا بھروسہ ہے جسے حوصلہ اپنا جو رکھتا ہے بلند
ہے ارادوں میں جو اپنے مستقل مشکلوں میں وہ نہیں ہوتا ہے بند

اپنی کوشش کا سہارا ہے جسے — اپنی محنت پہ جو کرتا ہے گزر
غیر کا رکھتا نہیں جو آسرا — زندگی اُس کی نہیں ہے دردِ سر
جو نہیں کچھ چاہتا ہے کرّوفر — دل میں جس کے سادگی کا ہے مقام
جانتا ہے جو حقیقت دہر کی — نام و شہرت سے نہیں ہے اس کو کام
عمرِ رفتہ کا نہیں جس کو ملال — وقتِ موجودہ کی جو کرتا ہے قدر
جس کو آئندہ زمانے کی ہے فکر — اس کو بے شبہ ملے گی جائے صدر
جس کا شیوہ ہے ہمیشہ آشتی — جس کا مسلک ہے ہمیشہ صلحِ کُن
راستی سے ہے جو مقصد ڈھونڈتا — اس کو ہندوستان میں ملتا ہے کل
ہوتی ہے خواہشِ مردار اُسے — چھو نہیں سکتا جسے نفسِ فضول
خیر و برکت جس کے دم سے ہے سوا — زندگی اس کی ہے خوشبودار پھول
جس کے دل میں نور ہے ایمان کا — جس کے دم سے نیکیوں کا ہے ظہور

زندگی میں ہے وہ عنبرؔ شاد کام
مر کے وہ جنت میں جاتا ہے ضرور

'زمانہ' اگست ستمبر ۱۹۱۲ء

٭ ترجمہ سازِ مغرب حصّہ دوم صفحہ ۱۳۶ پر دیکھیے۔

امیر احمد انصاری

شوہر کا جنازہ

جو نعش اُس کے غازی کی گھر پہ آئے
نہ کی آہ اُس نے نہ آنسو بہائے
وہ اک بت بنی تھی گویا نہ روئی نہ تڑپی
بنی تھی سراپا وہ تصویر غم کی
کہا دیکھ کر یوں کنیزوں نے اس کی
محال اس کا جینا ہے گر یہ نہ روئی

تب آہستہ اور نرم لہجہ میں اس نے
بیاں وصف سارے کئے اس جواں کے
کہا یہ کہ تھا وہ محبت کے لائق
جواں مرد دشمن تھا اور دوست صادق
اثر کچھ ہوا اس کے دل پر نہ اس کا
نہ آنکھوں میں آنسو نہ لب پر سخن تھا

کنیز ایک غمگین چپکے سے اٹھی
اور آہستہ غازی کی بالیں پہ آئی
لرزتا ہوا ہاتھ اپنا بڑھایا
اٹھا کر کفن شیر کا منہ دکھایا
اثر کچھ ہوا اس کے دل پر نہ تاہم
تکلّم نہ شیون نہ گریہ نہ ماتم

پھر آغوش میں اک نو دسالہ دائی
یتیم اور معصوم بچے کو لائی
جوں ہی ماں کے زانو پہ اس کو بٹھایا
ستم دیدہ ماں رو پڑی دل بھر آیا
ہوا سوز پنہاں عیاں اس طرح سے
پھٹے کوہ آتش فشاں جس طرح سے
جھڑی لگ گئی آنسوؤں کی بس اسکے
لگایا کلیجے سے بچہ کو اپنے
محبت سے بوسہ دیا اس کے رُخ پر
کہا پھر یہ بے ساختہ آہ بھر کر
مرے لال تیرے لئے میں جیوں گی
غم و رنج سب زندگی کے سہوں گی

'زمانہ' کانپور اکتوبر ۱۹۱۳ء

ارشد صدیقی

پیمانۂ صبر

گھر میں لائے لوگ اس کے جنگ جو عاشق کی لاش
اس کے چشم و لب مگر محروم اشک و آہ تھے
عورتوں نے یہ سماں دیکھا تو یوں گویا ہوئیں
"جان لیوا ہو نہ ثابت اس کا ضبطِ دل خراش"

نرم لہجے میں کہا ہر مونس ذی ہوش نے
"اک شناسائے محبت آج رخصت ہو گیا
اک حقیقی دوست، اک نقشِ وفا جاتا رہا"
پھر بھی کچھ جنبش نہ کی اس کے لب خاموش نے

چپکے سے اپنی جگہ سے اٹھ کے اک خاتون نے
اور دبے قدموں سے جاکر لاش کے بالکل قریب
چہرۂ مرحوم سے اس کا کفن سرکا دیا
چشم ولب اس وقت بھی اس کے مگر ساکت رہے

ایک نوّے سالہ بوڑھی خادمہ آگے بڑھی
گود میں مرحوم کے بچے کو لاکر رکھ دیا
آنکھ سے اشکوں کی جھڑیاں لگ گئیں وہ چیخ اٹھی
میرے بچے تیری ہی خاطر میں زندہ ہوں ابھی

تلوک چند محروم

حُبِّ وطن

کیا مُردہ دل ایسا بھی ہے
کوئی تہ چرخِ کہن؟
جس نے کہا ہرگز نہ ہو
"یہ ہے مرا اپنا وطن!"
بعد از تکالیفِ سفر
حدِّ وطن پر آن کر
جی جس کا بھر آیا نہ ہو
گر ہے کوئی ایسا بشر
کرنا بہ غور اُس پر نظر
شاعر کوئی اُس ملک میں
ہوگا نہ اُس کا مدح گر
ہر چند ہو عالی نسب
نازش فدا ہو نام پر

دولت میں قارونِ زماں
یا اس سے بھی مشہور تر
رکھتا ہو شاہوں کی طرح
شان وشکوہ و کرّوفر
وہ خود پرستِ مردہ دل
ہرگز نہ ہوگا ناموَر
یہ جیتے جی کی موت ہے
جس خاک سے پیدا ہوا
با ذلّت وتحقیر وہ
اس خاک میں مل جائے گا
کیا غم میں اس بدبخت کے
آنسو بہائے گا کوئی؟
یا پھول اس کی قبر پر
جاکر چڑھائے گا کوئی؟
یا گیت اس کے نام کے
دُنیا میں گائے گا کوئی؟

سیّد علی حیدر زیدی

حُبّ وطن

مُردہ دل کیا کوئی زندہ ہے جہاں میں ایسا
جس کو احساس نہیں حُبِّ وطن کا اصلا؟

کون ہے جو نہیں ہے شیفتۂ حُبِّ وطن
کیا کسی بلبلِ شیدا کو نہیں عشقِ چمن؟

کون ہے دل میں نہیں جس کے محبّت اس کی
یہ پری زینتِ آغوش نہیں ہے کس کی؟

کیا کوئی ہے کہ نہیں ہے جسے کچھ حُبّ وطن؟
اور اگر ہے، تو سُنادو اُسے میرا یہ سخن

لاکھ حاصل ہو تجھے دولت و ثروت اتنی
کرسکے آدمی ملنے کی تمنّا جتنی

نام اونچا ہو خطابات بڑے ہوں تیرے
کچھ نہیں، ہیچ ہیں بے حُبِّ وطن یاد رہے

نیک نامی تجھے دولت سے نہ حاصل ہو گی
نہ خطابات پہ دُنیا ترے مائل ہو گی
کچھ خوشامد تو کرائے گی یہ دولت تیری
دل سے کوئی نہ کرے گا کبھی عزّت تیری
وصف تیرا کوئی شاعر نہ کبھی لکھّے گا
کوئی لکھّے گا تو کچھ ہجو تیری لکھّے گا
غم تری موت کا اصلا نہ کرے گا کوئی
اور ستم یہ ہے تو بے موت مرے گا دہری
اس طرح عالم فانی سے گزر جائے گا
کہ ترے ساتھ ترا نام بھی مر جائے گا

رسا ہمدانی

مُرغ بول رہا ہے

دیکھو وہ مرغ دے رہا ہے صدا
چشمہ جاری ہے صاف پانی کا
چھوٹی چڑیاں جو چہچہاتی ہیں
کس خوشی سے یہ گیت گاتی ہیں
جھیل کا پانی کیا چمکتا ہے
دھوپ میں سبزہ کیا لہکتا ہے
دھوپ چھائی ہوئی ہے کھیتوں پر
کام میں ہیں جوان و پیر اکثر
گائیں چرتی ہیں سر جھکائے ہوئے
سر کو آپس میں یوں ملاتے ہوئے
ان کا مجمع ہے خوش نما مجمع
دل فریب اور دل کشا مجمع
نہیں جاڑے کا جانستاں موسم
برف باری کا اب کہاں موسم
برف اب صرف ہے پہاڑوں پر
اس گھڑی کا ہے خوش نما منظر
شاد ہیں کاشتکار کے لڑکے
کر رہے ہیں خوشی سے وہ نعرے
شادمانی ہے کوہساروں میں
زندگی پائی آبشاروں میں
ابر نے ہٹ کے لُطف دکھلایا
نیلگوں آسماں نظر آیا

اب کہاں ابر؟ اب کہاں پانی
اے رسا ختم کر گل افشانی

قیصرؔ

فصلِ بہار

بہ رہی ہیں ندّیاں مُرغِ سحر ہے بولتا
چھوٹی چڑیاں چہچہاتی اُڑ رہی ہیں جا بجا
جُھلملاتی جھیل ہے اور ہے چمکتی اُسکی ریت
کر رہے ہیں دھوپ میں آرام دیکھو سبز کھیت
بوڑھے بچے اور قوی ہیں کام مل کر کر رہے
اور چراگاہوں کے اندر ہیں مویشی چر رہے
جانور کچھ اس طرح آ کر گرے ہیں گھاس پر
شام تک دیکھو اٹھاتے ہی نہیں ہیں اپنا سر
بھاگ جاتی جسطرح اک فوج ہے کھا کر شکست
برف بھی یوں ہی ہوا ہے منتشر پا کر شکست

ہے اگر باقی تو وہ ننگے پہاڑوں میں کہیں
ہو گئی ہے صاف ورنہ سارے جنگل کی زمیں

ایک لڑکا گاؤں والے کا ہے کیسا گا رہا
اور پہاڑوں میں مسرت کا سماں ہے چھا رہا

آ گئی چشموں میں جان اور ندیاں ہیں بہ رہی
آسماں ہے صاف بارش ختم ہو کر گئی

تصویر قناعت

شاد ہے وہ شخص جس سے دور رہیں رنج و محن
شاد ہے وہ شخص جس کے دل میں ہے حبِ وطن
ہے جو اس کے پاس اک تھوڑی سی موروثی زمیں
ہے اسی میں خوش، زیادہ کی اُسے حاجت نہیں
اپنے دودھ اور اپنی نانِ خشک میں خوش حال ہے
محنتوں کے فیض سے ہر وقت مالا مال ہے
سایہ پیڑوں کا ہے گرمی سے بچانے کے لئے
آگ ہے سردی میں گرما کر سُلانے کے لئے
شاد ہے وہ شخص ہی جو فکر سے آزاد ہے
جس کو اندیشہ نہیں کچھ رات دن دلشاد ہے
کٹتے ہیں آرام سے راحت سے جس کے رات دن
جسم جس کا تندرست اور قلب جس کا مطمئن

جب وہ تھک جاتا ہے محنت کر کے دن کے کام سے
رات کو سوتا ہے کس راحت سے کس آرام سے

چھوڑ کر جب بیٹھتا ہے اپنے دن کے کام کو
دیکھتا ہے بیٹھ کر پھر وہ کتابیں شام کو

رات دن حاصل ہیں اس کو رنج و راحت کے مزے
باری باری لیتا ہے آرام و محنت کے مزے

ہے میسّر دولتِ آرامِ دل کا اس کو گنج
ہے اصول زندگی اس کا مرنجان و مرنج

چاہتا ہوں زندگی ایسی ہو کچھ میری بسر
رنج کی کچھ فکر ہو مجھ کو نہ راحت کی خبر

یوں ہی خاموشی سے بے نام و نشاں مر جاؤں میں
قبر بھی کوئی نہ ہو میری جہاں مر جاؤں میں

عشرت خلوت

دُنیا میں ہے وہ خرم جس دل کی فکر و خواہش
موروثی چند ایکڑ مزروعہ پر ہے محدود
بادِ خنک وطن کی صحن مکاں میں بے غش
انفاس پر اسی کے صابر ہے اور خوشنود

گلّوں سے دودھ حاصل، کھیتوں سے نان میسر
اپنے مویشیوں سے موجود جس کو کپڑا
جس کے لئے شجر ہیں، گرمی میں سایہ گستر
اور آگ بھی مہیّا کرتے ہیں وقتِ سرما

وہ بھی ہے کیا مبارک کرتا ہے جو بسر یاں
سال اور مہینے، ہفتے، دن اور گھنٹے بے غم
اور تندرستیٔ تن جس سے ہے دست و داماں
جس کا دماغ اور دل فارغ ہے دن میں ہر دم

بے فکر خواب شیریں سوتا ہے رات کو بھی
کرتا مطالعہ ہے لیکن بطیب خاطر
تفریح دل کشادہ دلکش وہ پاکبازی
جس کے خیال سے بھی عشرت نصیب خاطر

رہنے اسی طرح دو، دنیا میں مجھ کو آزاد
مجھ کو نہ کوئی جانے مشہور ہوں نہیں یاں
اس طرح سے مجھے بھی مرنے دو بے غم اور شاد
مدفن میں بعد مردن، سنگِ لحد نہ ہو یاں

تلوک چند محروم

رحم

جنبشِ پذیر زور سے ہوتا نہیں ہے رحم	ہوتا ہے خود یہ صورتِ ابرِ کرم چکاں
روئے زمیں پہ از طرفِ اوجِ آسماں!
یہ رحم ہے دوگونہ سعادت سے سرفراز	اک وہ سعید جس کی طرف سے ہوا عیاں
اور دوسرا وہ جس کو کیا اس نے شادماں!
طاقت وروں میں طاقتِ اعلیٰ یہی تو ہے	شاہوں کے واسطے یہ از تاجِ زرفشاں
ہے اس سے زیب و زینتِ شاہانِ ذی نشاں!
مظہر ہے اقتدار مجازی کا وہ عصا	دستِ شہی میں جس کو میسر ہے عز و شاں
بے شبہ ہے وہ سطوت و جبروت کا نشاں!
لیکن عصائے رحم کا ہے مرتبہ بلند	نسبت عصا کو ہاتھ سے ہوتی ہے بیگماں
اور رحم تختِ دل سے شاہوں کے حکمراں!
ہے رحم وصفِ خاص خداوندِ پاک کا	جب اس کا جلوہ ساتھ ہوا عدل کے عیاں
پیدا وہیں بشر میں ہوئی شانِ قدسیاں!

سیّد علی حیدر طباطبائیؒ

رحم

یوں کسی میں رحم کی پیدا نہیں ہوتی صفت
آسماں سے آتی ہے باران رحمت کی طرح
اس میں دوہری برکتیں ہیں دو طرح کی نعمتیں
جس کو آیا رحم اور جس پر کیا دونوں ہیں خوش
جو ہیں اعلیٰ اُنکا یہ اعلیٰ سے اعلیٰ وصف ہے
تاج سے بڑھ کر ہے زیبا تاجداروں کے لئے
دنیوی ان کی نمائش ہے یہ شمشیر و علم
ساز و ساماں لہر مہر اور سلطنت کا اوج موج
بادشاہوں کے ہے رعب و داب کا جس پر مدار
شان شاہی سے مگر بڑھ کر ہے شان رحم و لطف
دل ہے شاہانِ جہاں کا اس کا تخت سلطنت
ہے رحیمی تو خداوند دو عالم ہی کا وصف
بادشاہی میں خدائی کی نظر آتی ہے شان
عدل اور انصاف کے ہو ساتھ جب رحم و کرم

ارشد تھانوی

چکور

اے خوش نما پرندے تو ساکن ہوا ہے
تو مطرب فلک ہے تو زائر سما ہے
لیکن زمیں سے تجھ کو ہے اتنا کیوں تنفر
کیا اس لیے کہ پایا تو نے یہاں تفکر
پرواز کے ہیں شائق جس وقت تیرے بازو
رکھتا ہے دیدہ و دل کو آشیانہ پر تو
ان بازوؤں سے تو نے جس کو بنا لیا ہے
موسیقیوں نے جس کی دل کو لبھا لیا ہے
یہ گھونسلہ نہیں ہے، ہے راگ کا سمندر
ہوتا ہے غوطہ زن تو فوراً ہی جس میں اکثر
بلبل کے واسطے تو رہنے دے صحنِ گلشن
خلوت گہہ تجلی، ہے تیرا پیارا مسکن
کرتا ہے سیلِ نغمہ کو تو روانہ ہم پر
جاری ہے لطف تیرا یہ جاودانہ ہم پر

"زمانہ" جون ۱۹۱۵ء

رسا ہمدانی

لوا

فضائے ہوا میں بڑی گانے والی
زمیں سے سوئے آسماں جانے والی
بتا کیا نہیں تجھ کو بھاتی ہے دُنیا
کہ رنج و مصیبت دکھاتی ہے دُنیا
تو پرواز کرتی سوئے آسماں ہے
مگر یہ بتادے ترا دل کہاں ہے
نگہ ہے جو شبنم سے تر آشیاں پر
زمیں پر نظر تیری تو آسماں پر
ابھی نغمہ زن تھی تو روپوش ہوکر
سوئے آشیاں آئی خاموش ہوکر

اری طائر خوش نوا گانے والی
نظر سے بھی آگے نکل جانے والی

جہاں تک نظر جائے پرواز کر جا
سُنا پھر محبت بھرا پیارا نغمہ

فسانہ بیاں ہو جو دردِ نہاں کا
مزہ آئے اُلفت بھری داستاں کا

میں سمجھا ترا دل کسی پر فدا ہے
ترے آشیاں میں ترا دل رُبا ہے

ترا نغمہ دل سوز و دلکش ہے ایسا
کہ سُن کر تڑپ جاتے ہیں اہلِ دُنیا

نہیں قید موسم کی آہ و فغاں میں
تو گاتی ہے یکساں بہار و خزاں میں

تجھے کیا جو بلبل ہے نالاں چمن میں
نہیں قدر ہوتی کسی کی وطن میں

فضائے ہوا میں تو گاتی ہے ایسا
کہ دل تھام لیتے ہیں سب اہلِ دُنیا

جُدا دل سے تیرا تو گانا جُدا ہے
تری لے جُدا ہے ترانہ جُدا ہے

محبت سے کب تیرا گانا ہے خالی
مگر رکھتی ہے تو خیالاتِ عالی

فلک پر ہے تو دل ترا آشیاں میں
اسی طرح اہلِ تصوف جہاں میں

بظاہر خبر رکھتے ہیں وہ جہاں کی
مگر سیر کرتے ہیں ہفت آسماں کی

اختر عظیم آبادی

فلسفۂ عشق

بحر سے سینہ بسینہ ہو گیا دریا تمام
اور ہم آغوشِ دریا ہو گیا چشمہ تمام
جذبۂ شیریں کا یہ تھا اقتضائے لازمی
ہو گیا علوی ہواؤں میں جو ربطِ دائمی
موجبِ قانونِ قدرت کوئی شے تنہا نہیں
سب تو آپس میں ملیں کیوں مجھ سے تو ملتا نہیں[1]

دیکھ بوسہ لے رہا ہے آسماں کا کوہسار
موجِ دریا گرم جوشی سے ہیں باہم ہم کنار
اپنے بھائی سے رہے گر خواہرِ گل دُور دُور
نامزا وار معافی ٹھہرے گا اُس کا قصور
ذرۂ خاکی سے لپٹی روشنیٔ آفتاب
چومتی رہتی ہے دریا کو شعاعِ ماہتاب
قدر و قیمت ایسے بوسوں کی مرے نزدیک کیا
جب نہ تو نے جانِ جاں! مجھ کو کبھی بوسہ دیا

[1] ہم ترجمے ساز مغرب حصہ اول صفحہ ۱۹۲۔ اور حصہ دوم صفحہ ۷۸ و ۷۹ پر دیکھئے۔

ارشد صدیقی

بجنے پائے نہ کلیسا کا گجر آج کی رات

آفتاب رخِ برطانیہ رفتہ رفتہ
ہوتا جاتا تھا پسِ پردۂ کہسار غروب
ذرّے ذرّے پہ تھا بکھرا ہوا حسنِ تنویر
دن کی افسردگیٔ غم کا مداوا بن کر
آخری کرنوں نے بوسہ دیا وقت رخصت
ایک دوشیزہ اور اک مرد کی پیشانی کو
مرد اک سست قدم اور پریشاں رفتار
اور دوشیزہ کے کاکل تھے ہوا میں لرزاں
جھک گیا مرد کا سر بارِ تفکر کے تلے
اور دوشیزہ کے بے رنگ و خنک ہونٹوں سے
سسکیاں بن کے ابلنے لگے دل کے جذبات
"بجنے پائے نہ کلیسا کا گجر آج کی رات

اس کے بے رنگ لبوں میں ہوئی جنبش پیدا
بوڑھے زنداں کی طرف اس نے اشارہ کر کے
جس کی دیواریں تھیں تاریک اداس اور نمناک
سخت تاریک و بلاخیز۔ کہا "اے بابا!،
"مرا محبوب مقید ہے اسی زنداں میں
آج کی رات اُسے قتل کیا جائے گا
جب کہ گونجے گی کلیسا کے گجر کی آواز
کوئی دنیاوی مدد پاس نہیں ہے میرے
بادشہ رات سے پہلے تو نہیں آسکتا!،
ہو گئے اور بھی بے نور پھر اس کے لب خشک
دھیمی آواز میں جس وقت کی اس نے درخواست
"بجنے پائے نہ کلیسا کا گجر آج کی رات"

"مدتوں میں نے بجایا ہے کلیسا کا گجر
اسی افسردہ و ظلمات نشاں گنبد سے
اور ہر شام کہ جس وقت چھپا ہے سورج
رخصتِ وقت کا اعلان کیا ہے میں نے
میں ادا کرتا رہا ہوں ہمہ اوقات یہ فرض
مری کوشش یہ رہی ہے کہ میں پابند رہوں

آخری عمر میں اب آنے دوں کیوں الزامات
بجنا لازم ہے کلیسا کا گجر آج کی رات"

رنگِ رخ اڑنے لگا آنکھوں میں وحشت چمکی
جاگ اٹھی ماتھے پہ سنجیدہ تفکر کی شکن
اور دوشیزہ نے جذبات کی گہرائی کے ساتھ
کر لیا چپکے سے اک عہد مصمم دل میں
جب بھی آنکھوں میں نمی تھی نہ لبوں پر آہیں
جب کہ انصاف کا یہ حکم سنا تھا میں نے
کہ کلیسا کا گجر بجنے کی آواز کے ساتھ
اس کے محبوب کا دم گھونٹ دیا جائے گا
ہو گیا اور بھی پھر تیز تنفس اس کا
بڑھ گئی پھیلی ہوئی آنکھوں میں کچھ اور چمک
کہہ سکی ایک ہی سسکی میں وہ مشکل سے یہ بات
"بج سکے گا نہ کلیسا کا گجر آج کی رات"!

ہلکے قدموں کے سہارے سے وہ اچھلی آگے
اور گزر ہی گئی زنداں کے پرانے در سے
چھوڑ کر چلتا ہوا بوڑھے کو ان راہوں پر
جن پہ وہ رینگتا آیا تھا یونہی برسوں سے

ایک لمحہ بھی خود دوشیزہ نے کچھ غور کیا
کر کے روشن نگہ و رخ کی اُمیدوں کے چراغ
تیرہ و تار منارے پہ قدم رکھ ہی دیئے
جہاں لٹکا ہوا جب باب تھا کلیسا کا گجر
گرد آلودہ اک سیڑھی پہ رکھ رکھ کے قدم
اس اندھیری میں کہ کرنیں بھی جہاں جا نہ سکیں
بڑھتی جاتی تھی وہ ہونٹوں پہ لیے ایک ہی بات
"بج سکے گا نہ کلیسا کا گجر آج کی رات"

دیکھنا آخری سیڑھی پہ وہ اب جا پہنچی
سر پہ وہ لٹکا ہوا ہے بڑا کالا گھنٹہ
وحشت انگیز اندھیرا ہے فضاؤں کے تلے
وہ اندھیرا کہ بیاں کرنا بھی جس کا دوبھر
دیکھنا، وہ ہلی گھنٹے کی بلا خیز زباں
وہ گجر بجنے کا لمحہ بھی قریب آپہنچا
اس نظارے نے تو دل کر دیا دوشیزہ کا سرد
رک گئی سانس وہیں اڑ گیا رخسار کا رنگ
"کیا میں بجنے دوں گجر؟ یہ تو نہیں ہو سکتا"
یک بیک اس کی نگاہوں میں چمک جاگ اٹھی

اچھلی اور اس نے گجر تھام لیا باندھ کے ہات
وہ بج سکے گا نہ کلیسا کا گجر آج کی رات،،

اور وہ بوڑھا کہ جو کھینچ رہا تھا رسّی
بہرا ہونے کے سبب سُن نہ سکا کوئی صدا
اس نے سوچا کہ کلیسا کے گجر کی آواز
بن گئی ہو گی جواں شخص کا پیغام اجل
اور یہاں کرلی حسینہ نے گرفت اور بھی سخت
خشک اور کانپتے ہونٹوں کی صداؤں کے تلے
یوں دہاتی رہی وحشت زدہ دل کے جذبات
"نہ بج سکے گا نہ کلیسا کا گجر آج کی رات"

آخر ش ختم ہوا گھنٹے کی رسی کا کھنچاؤ
اور دوشیزہ پھر اک بار اسی جرأت سے
خاک میں لپٹے ہوئے زینے پہ استادہ ہوئی
جہاں صدیوں سے پڑا تھا نہ قدم انساں کا
آج کی رات تو وہ کام کیا تھا اس نے
تذکرہ جس کا کیا جائے گا اک مدّت تک
اور چھپتے ہوئے سورج کی سنہری کرنیں

جب فضاؤں میں بکھیریں گی دل آویز چمک
جنبشیں بوڑھے سروں کی یونہی دے دے کے بزرگ
ننھے بچوں کو سنائیں گے ابد تک یہ بات
"بچ سکا تھا نہ کلیسا کا گجر آج کی رات"

شاہ برطانیہ آپہنچا وہ کہساروں سے
اس کے چہرے پہ حسینہ نے جما دیں نظریں
جل رہے تھے وہاں امید و مسرت کے چراغ
اک نشاں بھی نہ تھا موجود تفکر کا کہیں
گر کے قدموں پہ وہ کہنے لگی اپنا قصہ
اور دکھلاتی رہی زخموں سے رستے ہوئے ہاتھ
دیکھ کر اس کے دل آویز و حسین چہرے
شدت غم سے جو مرجھایا ہوا تھا اب تک
شاہ کے دل میں ہوا رحم کا جذبہ بیدار
جاگ اٹھی ایک چمک آنکھوں میں چمکا، وہ بولا
بخش دی جا، ترے محبوب کو ایک اور حیات
بج سکے گا نہ کلیسا کا گجر آج کی رات

ہمترجمہ سازِ مغرب حصہ اول صفحہ ۸۹ پر دیکھئے۔

محمود شیرانی

موت کا وقت

درختوں نے معین وقت پر کی برگ افشانی
اڑا بادِ خزاں سے رنگِ گلہائے گلستانی
نمودِ صبح نے انجم کو دی تعلیمِ بطلانی
مگر اے موت ہر موسم میں تیری ہے فراوانی

سحر دروازہ ہے انساں کے اسبابِ معیشت کا
ہوئی ہے شام اک نظارہ اس کے بزمِ عشرت کا
بنا دامانِ شب گہوارہ اس کے خوابِ راحت کا
تسلّط ہے مگر ان سب پہ تیرے دستِ قدرت کا

ہمیں ہے علم اوقاتِ زوالِ ماہِ تاباں سے
پرندے گرمیوں میں آئیں جب کہ بحرِ عمّاں سے
لباسِ زرد کھیتوں کو ملے فصلِ زمستاں سے
نہیں واقف ہیں ہم لیکن تری آمد کے طوفاں سے

ترا وہ وقت ہے کیا فصلِ گُل کا جب کوئی جھونکا
کہے سرگوشیاں آکر بنفشہ ہے جہاں پھُولا؟
نہیں یہ بھی تو پھر وہ زرد ہو پھولوں کا جب تختا
معیّن ہے فنا ان کی ہمیں بھی ہے فنا ہونا

وہی نا جبکہ طوفانی پہ آوے موجِ دریائی
تموّج میں ہوا کو لائے جب آوازِ نغمہ کی
نہیں خالی رہے تجھ سے ہمارے عیش خانے بھی
رکھا دُنیا میں جب ہم نے تجھے تب بھی وہاں تو تھی

بلا ہے آشنا سے آشنا جس دم وہاں تو ہے
ہوا، یا جب کوئی دشمن مقابل اپنے دشمن کے
فضائے باد گونج اٹھے ہے جب آوازِ قرنا سے
ملادے خاک میں شاہانہ کلغی تیغِ قاتل سے

بمترجمے سازِ مغرب حصّہ اوّل صفحہ ۱۴۳، اور حصّہ دوم صفحہ ۶۶ و ۶۸ پر دیکھئے۔

ارشد صدیقی

فطرتِ معصوم

جہانِ سادہ کا معصوم آرزو بچہ
جو بنتا رہتا ہو سانسوں میں نرم افسانے
جو کرتا رہتا ہو رگ رگ میں زندگی محسوس
بھلا وہ موت کی فطرت کا راز کیا جانے

ملی مجھے کسی دہقاں کی اک حسیں بچی
بقول خود جو ابھی صرف آٹھ سال کی تھی
ہزاروں پیچ تھے جس کے گھنیرے بالوں میں
تھی جس کی زلف ابھی سر کے گرد الجھی ہوئی

پلی ہوئی تھی جو وحشت زدہ فضاؤں میں
نہ تھا لباس پہننے کا جس کو کوئی شعور

وہ اس کے دیدۂ شفاف، وہ رخ سادہ
کہ جن کے کیف نے دل میرا کر دیا مسرور

سوال میں نے یہ اس سے کیا کہ "کیوں بیٹی۔!
تمھارے کتنے بہن بھائی ہوں گے سب مل کر؟"
وہ بولی، "کتنے بہن بھائی! سات ہیں ہم لوگ"
یہ کہہ کے اس نے تعجب سے مجھ پہ ڈالی نظر

"وہ سب کہاں ہیں براہِ کرم بتا تو مجھے!"
کہا کہ، سات ہیں ہم جو قیام کرتے ہیں
یہاں سے دور ہیں ۲ دو کانوے میں رہتے ہیں
ہیں اور ۲ دو جو سمندر میں کام کرتے ہیں

اور اس کلیسا کے آنگن میں سو رہے ہیں ۲ دو
ہیں دونوں بھائی بہن تم سے ٹھیک کہتی ہوں
اسی کلیسا کی چھوٹی سی ایک کٹیا میں
انھیں کے پاس میں اماں کے پاس میں رہتی ہوں

"یہ تم نے کیا کہا؟ دو کانوے میں رہتے ہیں
گئے دو سکر دو کام کو سمندر پر

تو پھر بتاؤ مجھے اے میری حسین بچی۔!
کہ اس حساب سے ہوتے ہیں سات تم کیوں کر"

یہ سُن کے ننھی سی بچی نے مجھ کو سمجھایا
کہ "دیکھو! سات بہن بھائی ہم ہیں سب مل کر
یہ دو کلیسا کے آنگن میں سو رہے ہیں یہاں
اسی کلیسا کے اندر درخت کے نیچے"

"نہیں نہیں، مری بچی بھٹک رہی ہو تم
تمھارے جسم کے اعضا تو ہیں حیات آگیں
اگر کلیسا کے آنگن میں سو رہے ہیں دو
تو صرف پانچ بہن بھائی تم ہوئے کہ نہیں"

وہ بولی "ان کے ہرے مقبرے تو زندہ ہیں
اگا ہے اب بھی وہاں سبزہ دیکھ لو جا کر
ہماری اماں کے دروازے سے ذرا آگے
وہ دونوں پہلو بہ پہلو بنے ہوئے ہیں ادھر!

وہیں تو بیٹھ کے بنتی ہوں اپنے موزے میں
وہیں تو پھول بھی رومال میں بناتی ہوں

وہیں تو بیٹھ کے فرشِ زمیں پہ گھنٹوں تک
میں گنگنا کے نئے گیت انھیں سناتی ہوں

اسی جگہ پہ تو اکثر غروبِ شام کے بعد
میں اپنا ننھا سا پیالہ بھی لیکے جاتی ہوں
سہانی رات میں جب چاندنی چھٹکتی ہے
تو اپنا کھانا وہیں بیٹھ کر میں کھاتی ہوں

مری جو پہلے پہل وہ تھی جینؔ ہمشیرہ
جو آہیں بھرتی تھی لیٹی ہوئی بچھونے میں
خدا نے دے ہی دیا اس کو پھر سکوں آخر
تمام ہو گئی تکلیف اس کی سونے میں

غرض کہ صحنِ کلیسا میں محوِ خواب ہے وہ
سسک سسک کے جو آلام و درد سہتی تھی
تھا سبزہ سوکھا ہوا جب تو اس کی قبر کے گرد
میں اپنے جونؔ برادر کے ساتھ کھیلتی تھی

زمیں پالے کے گرنے سے پھر سفید ہوئی
تو دوڑ دوڑ کے ہم برف پر پھسلنے لگے

اسی زمانے میں پھر جون کو بھی جانا پڑا
بہن کے پاس غرض جا کے سو گیا بھائی

کیا سوال یہ میں نے کہ اب بچے کتنے
چلے گئے ہیں اگر دونوں وہ خدا کے گھر
بگڑ کے بچی نے بے ساختہ جواب دیا
کہ سات بھائی بہن ہیں جناب سب مل کر
"وہ دو تو مر ہی گئے ہیں وہ دو تو چل ہی بسے
اب ان کی روحیں تو ہیں آسماں پہ" میں نے کہا
مگر وہ بچی مری بات کب سمجھتی تھی
اسے تو اپنی مرضی سے کام تھا گویا

"کہ ہم تو سات بہن بھائی ہیں سبھی مل کر"

ہمترجمہ سازِ مغرب حصہ دوم صفحہ ۱۰۶ پر دیکھئے۔

سید احمد کبیر

موت کے سامنے سب برابر ہیں

شرفِ جاہ و نسب مال و منال کچھ نہیں اصل میں ہیں خواب و خیال
ہے اجل کے لئے جوشن نہ قبا پنجۂ موت میں ہیں شاہ و گدا
تخت اور تاج و لوا
ایک دن ہیں سب فنا
تیشہ و دشنہ و تیغِ برّاں
خاک میں مل کے بنیں سب یکساں

جیتیں رن تیغ سے مردانِ وغا خوں سے گلرنگ کریں دشتِ بلا
آج ہیں فتح و ظفر کے اسلوب ایک دن سب کے قوا ہیں مغلوب
جلد ہوں یا کہ بدیر
سب ہیں تقدیر سے زیر
ہو اسیروں کی طرح حال ابتر
نقدِ جاں موت کو دیں رو رو کر

پھول مرجھا گئے سہرے کے تمام — اب بھی ترانے کا باقی ہے مقام
دیکھ اس موت کے مسلخ کو جہاں — خوں میں بسمل ہے اک اپنے غلطاں

اسکی قربان گاہ پر
نذر ہوگا تیرا سر
نام نیکوں کے برنگِ گلِ تر
خاکِ مرقد میں بساتے بکھر

ہمترجمے سازِ مغرب حصّہ اول صفحہ ۲۲۷ حصّہ دوم صفحہ ۸۵ پر دیکھئے ۔

سید احمد کبیر

سپاہی کا خواب

ابرِ شب چھایا بگل جنگ کے تھمنے کا ہوا
آ کے گردوں پہ ستاروں نے جمایا پہرا
گر پڑے خاک پہ تھک تھک کے ہزاروں جرّار
زخمی دم لینے کو دم دینے کو واماندہ و زار

اپنے بستر پہ جو آرام کی خاطر میں گیا
پاس ہی آگ تھی دل سوز فتیلان وغا
نصفِ شب ایک عجب خوابِ دل آسا دیکھا
اور تا صبح کئی بار وہ نقشہ دیکھا

ہے خیال ایسا صفِ جنگ سے یکسو ہو کر
دور ویران سے رستے پہ ہوں سرگرمِ سفر
دن گلابی ہیں نکل آیا ہے سورج کب کا
دیس کی راہ کو ہے دھوپ نے چمکا رکھا

اڑکے اک شوق سے کھیتوں کی طرف میں پکا
مینڈ مینڈ ان پہ جوانی میں کبھی پھرتا تھا
بکریاں بولیں پہاڑی پہ وہ آئی آواز
کھیت کٹتے ہیں یہ گیتوں میں وہیں ہیں گداز

دور پھر حلقۂ احباب میں ساغر کا چلا
اور قسم کھا گیا میں اب نہ وطن چھوڑوں گا
منہ پہ منہ رکھ دیئے بچوں نے بڑی الفت سے
دل تھا اُمڈا ہوا بی بی لگی آہیں بھرنے

کہتی تھی جاؤ نہ پردیس بس اب گھر میں رہو
میں بھی اک جوش میں کہ اٹھتا تھا اچھا نہ کڑھو
صبح اٹھتے ہی وہی غم تھا وہی ہجر دراز
گھل گئی کانوں میں صد حیف وہ میٹھی آواز

ہم ترجمہ سازِ مغرب حصّہ دوم ۱۷۷ پر دیکھئے ۔

ارشد صدیقی

سنہرے پھول

بھٹکتا پھرتا تھا تنہا میں مثل لکۂ ابر
جو تیرتا ہے سر کوہ و وادی و صحرا
وہ میزبان وہ گل ہائے سادہ و زریں
کنارِ جوئے رواں زیر سایۂ اشجار
نسیم صبح کے جھونکوں میں رقص فرما تھے
نجوم جیسے مسلسل چمکتے رہتے ہیں
ہزاروں جلوے لئے کہکشاں کے دامن پر
یونہی وہ پھول بھی لا انتہا قطاروں میں
حسین خلیج کی آغوش میں تھے بکھرے ہوئے
بہ یک نگاہ ہزاروں مجھے نظر آئے
کہ محوِ رقص تھے جو سرخوشی کے عالم میں

انھیں کے پہلو میں رقصاں تھیں آتشیں موجیں
مگر گلوں کی تجلی کا کچھ جواب نہ تھا

پھر ایسی صحبت دل آفریں میں اک شاعر
خوشی سے جھوم نہ اٹھتا تو اور کیا کرتا؟

میں جلوہ زار میں کھو کر یہ سوچ بھی نہ سکا
کہ اس نظارے نے بخشی ہے مجھکو کیا دولت

اب اپنے صوفے پہ جب بھی دراز ہوتا ہوں
تفکرات کے لمحوں میں یا کہ مہلت میں

تو چشم دل میں وہی پھول جگمگاتے ہیں
وہ چشم دل کہ جو تنہائیوں کی نعمت ہے

یہ پھول روح میں نغمے بکھیر دیتے ہیں
اور ان کے ساتھ میرا دل بھی رقص کرتا ہے

ہم ترجمہ ساز مغرب حصہ اول صفحہ ۶۲، ۶۳ پر دیکھئے۔

تلوک چند محروم

بزدل٭

جو بزدل ہیں وہ پہلے موت سے سو بار مرتے ہیں
دلاور اک دفعہ دُنیائے فانی سے گزرتے ہیں
تحیر خیز باتوں کا جو مجھ سے ذکر کرتے ہیں
یہی ہے بوالعجب سب سے کہ اکثر لوگ ڈرتے ہیں
نظر جب صاف آتا ہے کہ اک دن خاتمہ ہو گا
وہ جب آئے گا آجائے گا حاصل ڈر سے کیا ہو گا

٭ ترجمہ ساز مغرب حصّہ اوّل صفحہ ۱۹۹ پر دیکھئے۔

سعید الدین خاں سعید

ابو بن ادھم

روپہلی چاندنی پھیلی تھی یوں اس کے شبستاں میں
گل صد برگ ہو عنبر فشاں جیسے بہاراں میں
جو بن ادہم ہوا بیدار اس دم خواب راحت سے
فرشتے کو کتابت کرتے دیکھا چشم حیرت سے
خموشی نے دلائی جرأت انداز ادھم کو
وہ بول اٹھا مخاطب ہو کے ہستی مکرم کو

لکھا کیا جا رہا ہے مصحفِ زرّیں پہ اے قدسی؟
اٹھا کر سر نگاہوں سے جھلک جن میں رضا کی تھی
کہا نام اُن بزرگوں کے رہے جو عاشق باری
کہیں ہے نام احقر کا؟ کہا اس سے یہ ہے عاری

کہا ادھم نے منّت سے مگر از خندہ پیشانی
محبِّ نوعِ انساں ہوں یہ لکھنا قاصدِ عالی
فرشتے نے لکھا اس کو نظر سے تب ہوا پنہاں
پھر آیا دوسری شب نورِ تاباں لے کے بے پایاں
بتائے نام وہ جن پر ہوئی تھیں رحمتیں نازل
سرِ فہرست تھا صد شکر نامِ ادہم کامل

ہمترجمے سازِ مغرب حصّہ اول صفحہ ۱۹۵۔ اور حصّہ دوم صفحہ ۸۷

عزیز احمد عزیز

ایک عرض

رسمِ اُلفت آپ کو مجھ سے بڑھانا ہو اگر
ہو محبت یہ محبت کے لئے ہی سربسر

یہ نہ کہئے میں فدا ہوں اس کے طرزِ ناز پر
جان دیتا ہوں میں اس کے حسن عشوہ ساز پر

یہ نہ کہئے اس کا اندازِ تکلم ہے پسند
یہ نہ کہئے شوخیٔ طرزِ تبسم ہے پسند

یہ نہ کہئے اس لئے اُلفت کا متوالا ہوں میں
اس کو ہم آہنگ اپنی رائے میں پاتا ہوں میں

آپ اے جانِ تمنا اس سے ہیں کیا بے خبر
ہیں یہ سب چیزیں فنا ہونے کو آمادہ مگر

جب بدل جائیں گی یہ ہو جائے گا اس کا ظہور
رشتۂ اُلفت بھی آخر ٹوٹ جائے گا ضرور

میری اس بے مائیگی پر آپ مائل ہیں اگر
مجھ کو تسکیں دے کے ہو جائیں گے اک دن بے خبر

اس لئے دل دیجئے مجھ کو محبت کے لئے
چاہئے سودا فقط یہ دردِ اُلفت کے لئے

تاکہ یہ الفت ہمیشہ کے لئے ہو برقرار
گلشنِ ہستی رہے تازہ مثالِ نوبہار

ہمترجمہ سازِ مغرب حصہ دوم صفحہ ۱۳۲ پر دیکھئے ۔ اور حصہ اول صفحہ ۱۸۹ پر

محمد عباس کاظمی نیشاپوری

مایوسی

آسماں صاف اور گرم موسم
موجیں اُلفت سے ملتی ہیں باہم

برف کی صاف پوشاک پہنے
دوپہر آیا خوشیاں منانے

ہنستی ہیں چپکے چپکے سے کلیاں
دیکھ کر عیش و عشرت کے ساماں

ہیں ہواؤں کے بھی نرم گانے
شہر کے بھی ہیں دھیمے ترانے

اور سمندر کی تہ پر انوکھے
سبز اور زرد مونگے ہیں بکھرے

موجیں ساحل سے ٹکرا رہی ہیں
موتیوں کو وہ بکھرا رہی ہیں

ریگ ساحل پہ بیٹھا ہوں تنہا
لہریں اٹھ اٹھ کے گاتی ہیں گانا

یاد آتی ہے اس بے وفا کی
دل میں الجھن ہے کتنی بڑھاتی

کیا بتاؤں میں کس کی کمی ہے
دل پہ کیا جانیے کیا بنی ہے
مجھ سا ہے کون محروم قسمت
پاس جس کے نہ دولت نہ شہرت

دل قناعت پہ مائل نہیں ہے
تیغ ابرو کا گھائل نہیں ہے
سب کو خوشیاں ہیں مجھ کو ندامت
رنج و غم یاس و حرمان و حسرت

نا امیدی بھی اکتا گئی ہے
مجھ تک آنے سے شرما گئی ہے
ہیں ہواؤں کی بھی شورشیں کم
پڑ گیا راگ غم کا ہے مدھم

تھک گیا چلتے چلتے مسافر
غم کی منزل ہوئی پر نہ آخر
جو پڑے اس کو سہنا ہے مجھ کو
درد اور دکھ میں رہنا ہے مجھ کو

انتظار اجل کر رہا ہوں
زیست کی فکر میں مر رہا ہوں
اس جہاں سے میں جاؤں گا جس دم
موجیں مل مل کے روئیں گی باہم

---

* نغمۂ سازِ مضطرب حصہ اوّل صفحہ ۱۰۵ پر دیکھئے ۔

سرور جہان آبادی

کوئل

او چمن کی اجنبی چڑیا! کہاں تھی آہ! تو
کیا کسی صحرا کے دامن میں نہاں تھی آہ تو

تیرے دلکش زمزمے تھے سبزہ زاروں میں خموش
وا آشیانہ تھا ترا گلشن میں بزم بے خروش

کھینچتی وقتِ سحر دل کو تری کُو کُو نہ تھی
چھاؤں میں تاروں کے محوِ نغمۂ دلجو نہ تھی

موسمِ سرما میں اے سرمایۂ صبر و شکیب
بے صدا تیرا پسِ پردہ تھا سازِ دلفریب

مرحبا اے پیکرِ پیکِ ربک گام، بہار
لے کے پھر تو گرمیوں میں آئی پیغامِ بہار

تو ادھر آئی فضائے گل کا دور آیا اُدھر
تو نے گائے گیت اور آموں پہ بور آیا اُدھر

طائرانِ باغ نے چھیڑا ہے سازِ انبساط
تیرے قدموں میں ہیں شاخوں پر ہم آہنگ نشاط
پہنی ننّھی ننّھی کلیوں نے قبائے شبنمیں
آ رہی ہے کان میں تیری صدائے دلنشیں
کوئی انجم آسماں کا اوسبک پروازِ شوق
رہنما ہے کیا ترا دلدادہ اندازِ شوق
تو جو آنے والے موسم کا نشاں پاتی ہوئی
اپنی منزل پر پہنچ جاتی ہے یوں گاتی ہوئی
(غیر مقدم میں زِ تکیبِ خاطرِ ناشاد میں)
موسمِ گل کو بھی دیتا ہوں مبارک باد میں
تو چمن میں اڑ کے کیا آئی کہ آ پہنچی بہار
گا رہی ہیں چھوٹی چڑیاں سبز کنجوں میں ملار
دامنِ رنگیں میں اک دوشیزہ نا کتخدا
چُن رہی ہے ننّھی ننّھی سُرخ کلیاں خوشنما
اور تجھ سے ہم سرودِ نغمہ اعجاز ہے
بزمِ قدرت میں تری گویا شریکِ ساز ہے
میٹھے نغمے گانے والی او چمن کی نازنیں
ہے تر و تازہ ہمیشہ تیرا کُنجِ دل نشیں

اور مصفّا ہے فضائے آسماں تیرے لئے
ہے شفق جامِ شرابِ ارغواں تیرے لئے

تیرے نغموں میں اثر اندوہ و حرماں کا نہیں
سال میں تیرے گزر فصلِ زمستاں کا نہیں

مجھ کو قسّامِ ازل دیتا اگر دو بال و پر
اڑ کے ہوتا میں بھی تیرے ساتھ سرگرمِ سفر

بن کے ہم دونوں رفیقِ موسمِ جوشِ بہار
کرتے خوش خوش ہر برس گلگشتِ دشت و کوہسار

مخزن لاہور، اپریل ۱۹۰۹ء

محمّد فضل الرحمٰن

اکیلا جلاوطن

روئے زمیں کا حکمراں — جیسے کہ فاتح جہاں
چھوٹے سے اس جزیرے پر — میرا ہی سکہ ہے رواں
عالم ہو کی آرزو — رشیوں کی ہوگی نیک خو
تخت شہی بھی یاں مجھے — تختۂ دار ہو بہو
قافلۂ بشر سے دُور — رہزن و راہبر سے دُور
کان صدا سے نابلد — آنکھیں رہ نظر سے دُور
دشت وجبال کے چرند — مثل غزال کے چرند
دوستی رازِ زندگی — ہمدمی سازِ زندگی
کاش لگادے پر مجھے — شعبدہ بازِ زندگی
پیاروں کے گہ ہوں جمگھٹے — گہ حق و دیں کے مشغلے
پند سنوں بزرگوں کا — طفل و جواں کے قہقہے
بادِ صبا پیام دے — مژدہ اے خوش خرام دے

میں ہوں غریب بے وطن یاد وطن کا جام دے
زمزمہ دوست داری کا اس دلِ زار کو سُنا
کہہ دے زبانِ حال سے اب بھی ہیں دوست آشنا
ہیچ ہے موجۂ ہوا توسنِ برق ہے تو کیا
پل میں خیال پھر مجھے دیس کی سمت لے چلا
اپنے وطن میں ہوں ابھی صحنِ چمن میں ہوں ابھی
آن کی آن میں مگر پھر اسی بن میں ہوں ابھی
مُرغ ہیں آشیانوں میں بھیڑیں بھی ہیں ٹھکانوں میں
اپنا گھروندا اور میں دُکھ بھی ہے سکھ مکانوں میں
چار طرف ہیں رحمتیں فکر و نظر میں حکمتیں
کس لئے بخت کا گلہ
رنج میں جب ہوں راحتیں

زندگی کا راگ

رنج وہ اشعار میں کیجئے نہ یہ مجھ سے بیاں
زندگی اک خواب ہے اور ہے فقط وہم و گماں
روح جو آرام میں ہے اس کو مردہ جانیے
اور فقط دھوکہ ہی دھوکہ ہیں یہ اشیاء جہاں
زندگی ہے واقعی اور زندگی ہے ایک چیز
منزل مقصود اس کا قبر کو مت کر تمیز
خاک کا پتلا ہے تو اور خاک میں مل جائیگا
روح سے مطلب نہیں ہے جسم سے منشاء عزیز
نے مسرت نے غم و اندوہ و آلام جہاں
ہیں ہمارے منزل مقصود یا راہ رواں
بلکہ وہ اعمال ہیں جن کے سبب سے رات دن
ہے ترقی پر ہماری زندگی کا کارواں

علم ہے لا انتہا اور وقت ہے ہر دم رواں
گو ہمارے قلب ہیں مضبوط مثل پہلواں
لیکن مثل ماتم دیتی ہیں حکم اجل
اور سوئے مدفن چلے جاتے ہیں ہم نوحہ کناں

اس زمانہ کی لڑائی کے بڑے میدان ہیں
زندگی کے چند لمحہ ہیں ترے امکان ہیں
ہو نہ تو مثل بہائم کاہل و مجبور محض
بلکہ اپنا نام کر دے خط انسان میں

آنے والی تو مسرت کا نہ کچھ کر اعتبار
ہو چکا سو ہو چکا اب کیوں ہے انتشار
زندگی حال میں تو کام کر اور کام کر
رکھ بھروسا مرضیٔ مولے اور ہمت نہ ہار

یہ بتاتے ہیں مشاہیر سلف کے واقعات
زندگی ہم اپنی کر سکتے ہیں یوں ہی باصفات
وقت رحلت ایک ہستی پر ہے اپنی کائنات
چھوڑ جائیں اگلی قوموں کے لئے نقش حیات

اس زمانہ کے سمندر میں کوئی بے کس غریب
جس کی کشتی ہو شکستہ ڈوبنے کے ہو قریب

دیکھ کر اس نقش کو ممکن ہے ہمت کچھ کرے
اور ہمارے نقش پا ہوں اس کے درماں نجیب

ہرچہ بادا باد ہم اپنی کمر کو باندھ لیں....
دقتیں گو پیش آئیں لیکر ہم بڑھتے چلیں
کامیابی ہوتی جائے ہمتیں بڑھتی رہیں
خوگر محنت بنیں اور صبر کرنا سیکھ جائیں

سعید الدین خاں سعید

سلمیٰ

سنا تھا کتنی بار سلمیٰ کی نسبت
جو جنگل سے تڑکے میں گذار فرصت
سکھی تھی نہ اس کی نہ کوئی سہیلی
نشیمن تھا بس اک بڑی سی ترائی

ہوئی ہے نصیب اس کی مجھ کو زیارت
اکیلی تھی صحرا میں وہ حسب عادت
گل افشان و دلکش حسیں اور سہانی
نہ تھی گرد کنج ایسی جائے مثالی

کلیلیں ہرن کرتا دے گا دکھائی
نظر آئے گا ناچ خرگوش کا بھی
مگر شوخ سلمیٰ کی وہ شکل پیاری
دکھائی نہ دے گا جہان میں کبھی بھی

بڑی آج کی رات طوفانی ہو گی
تجھے شہر جانا بہت ہے ضروری
لئے جا کسی حال قندیل اپنی
بتا رستہ ماں کو کہ ہے برف باری

پتا جی میں یہ کام دل سے کروں گی
ابھی تیسرا ہے پہر، وقت باقی
بجائے ہیں گرجا کے گھنٹے نے دو ہی
ابھی مہرِ خلد کی منزل بھی ہے دور کافی

یہ سن کر پتا نے اٹھائی درانتی
پھر ایندھن کے گٹھے کی ڈوری کو کاٹی
لگا کام میں آپ اپنے جو فوری
چلی لے کے قندیل اس وقت ناری

پہاڑی برن شادماں تھے نہ اتنے
وہ چنچل کہ اس کا بھی گیت گاتے
کہ جھنکار سے اس کی ٹھوکر کے اٹھتے
مثالِ دُخاں برف کے نرم گالے

اُدھر وقت سے آ گیا پہلے طوفان
نشیب و فراز اس نے تا حدِ امکاں

کٹے طے چڑھی ہے، پہاڑی پہ جویان
نہ پہنچی سرِ شہر پھر بھی وہ حیران

پریشان ماں باپ نے رات ساری
پکارا ہے بیٹی کو اور خاک چھانی
صدا اس نے دی اور نہ صورت دکھائی
کہ ہوتی ذرا کچھ انھیں رہنمائی

سویرے پہاڑی پہ دونوں کھڑے تھے
عیاں منظرِ دشت تھا سب یہاں سے
وہ لکڑی کا پل دیکھ پایا انھوں نے
جو تھا ایک فرلانگ پر گھر سے ان کے

کہا واپسی میں یہ صد آہ و زاری
ملاقات جنت میں ہوگی ہماری
تسلسل تلاشِ نظر کا تھا جاری
دِکھے نقشِ پا برف میں ماں کو ساری

عمودی پہاڑی کے گوشہ کے نیچے
نشان چھوٹے قدموں کے ہر دو نے پائے
لگے تھے یہ دیوار کے راستے سے
حِنا کے شکستہ احاطہ سے آگے

انھوں نے کیا پھر عبور ایک میدان
نشاں تھے وہی فرق آیا نہ چنداں
نظر سے نہ اوجھل تھے نقش پریشاں
پھر آئے وہ پُل تک ہراساں ولرزاں

سُراغِ نقوشِ قدم وہ لگاتے
پریشاں برفانی خطہ سے لوٹے
ملے پھر نشاں وسطِ پُل تک قدم کے
پتہ تھا نہ اُن کا بصد حیف آگے

روایت رہی اکثروں کی زبانی
ابھی تک جیئے جارہی ہے وہ لڑکی
جو دیکھو نظر آج بھی آسکے گی
بھیانک بیابان میں مصروف بازی

پہاڑی پہ میدان میں ہے رقص کرتی
ہوامیں یہ گونج اس کی ہے سنناتی
پلٹ کر نہیں دیکھتی وہ کبھی بھی
محض درد انگیز نغمہ سُناتی

سیّد احمد کبیر

ہفت خوانِ عمر

ہے تماشا گاہ یہ سارا جہاں
مرد و زن ہیں سب تماشا گر یہاں
آنے جانے کے لئے ہیں در کھُلے
کھیل دکھلاتا ہے ہر اک نت نئے
کھیل کیا ہیں عمر کے ہیں ہفت خواں
کرتا ہوں تفصیل سے سب کا بیاں

طفل ناداں ہوتا ہے پہلے بشر
بے زباں۔ معصوم۔ بے شر، بے خبر
دائی کی آغوش میں ہوتا ہے وہ
ڈالتا ہے دودھ، گہ روتا ہے وہ
بے سبب ہنس کر دکھاتا ہے بہار
بھولی بھالی شکل پر آتا ہے پیار

جب گزر جاتا ہے یہ غفلت کا عہد
چھوڑنی پڑتی ہے پھر آغوشِ مہد

بے دلی سے بر میں لیتا ہے کتاب
مُنہ بناتے اور با چشم پُر آب

رینگتا جاتا ہے مکتب بس نہیں
مدرسہ اس کو کم از مجلس نہیں

ہوتا ہے پھر دامِ اُلفت میں شکار
لب پہ آہ گرم اور دل بے قرار

دن ہے اس کو بے قراری کے لئے
رات ہے اختر شماری کے لئے

شعرِ وصفِ چشم و ابروئے نگار
رہتا ہے وردِ زباں لیل و نہار

پھر شجاع و مردِ میدانِ وغا
شیر کا سا کلّہ جبڑا خط بھرا

جلد باز و خود پسند و خیرہ سر
زود رنج و سرد مہر و کینہ ور

آن پر شیدا دلیر و جنگ جو
منہ میں جاتے توپ کے گر نام ہو

پھر ثقہ مرد و معزّز و محترم
لقمہائے چرب سے پُر ہے شکم

آنکھ سے ہے رعب و ہیبت آشکار
رُخ پہ ہے ریش مقطع کی بہار

گرم و سردِ دہر و اقوال سلف
سب میں حاصل جامعیّت کا شرف

بات جو کہنا ہے سو کانٹے کے تول
پند و حکمت سے بھرا ہے بول بول

ہوتا ہے دورِ ششم میں پھر یہ حال
ناتواں لاغر نقاہت سے نڈھال

ناک پر حضرت کی ہے چشمہ دھرا
ہے کمر میں ضعف سے پٹکا بندھا

پاؤں میں چلنے کا باقی ست نہیں
بچ رہی پامال ہونے سے زمیں

کیجئے کیا ذکر پچھلے دور کا
اس میں سارے کھیل کا ہے خاتمہ

بچپنے کا پھر پلٹ آتا ہے دور
بے طرح سارے بدل جاتے ہیں طور

چشم و دندان و زبان و ذائقہ
عقل و فکر و ذہن و ہوش و حافظہ

سب رفاقت سے اٹھا لیتے ہیں ہاتھ
بے بسی کا ایک رہ جاتا ہے ساتھ

تلوک چند محروم

نرم گفتاری

کرو کلام بہ نرمی، کہ نرم گفتاری
ہزار سخت کلامی سے کارگر ہے ہوا

کرو کلام بہ نرمی، کہ تیز و تند کلام
نہ کارِ خیر کو کر دے ذلیل اور رسوا

کرو کلام بہ نرمی جو طفل کم سن سے
تو ہے یقیں کہ وہ مانوس تم سے ہو جائے
سکھاؤ اس کو شفقتانہ نرم لہجے میں
کسی کو کیا ہے خبر کب یہ لعل کھو جائے!

کرو کلام بہ نرمی، ہمیشہ بوڑھوں سے
دل شکستہ کو کیوں اور پائمال کرو؟

جہاں سے ان کو بہ امن و اماں گذرنے دو
یہ قعرِ گور ہیں گرنے کو ہیں خیال کرو

کرو کلام بہ نرمی، ذرا سی بات ہے یہ
عمل جو اس پہ تمہارا بطرزِ احسن ہو
تو ایک روز وہ آئے گا جب کہ دیکھو گے
گلِ مراد سے تم بھر کے بیٹھے دامن ہو

مرزا اعجاز حسین اعجاز

خوابِ راحت

پھول ہی پھول اِس پہ برساؤ
آنکھ سے اشکِ خوں نہ ٹپکاؤ
پھول ہی پھول اس پہ برساؤ
ذکر گور و کفن کا مت لاؤ

خواب راحت میں یہ تو سوتی ہے
نیند یہ کب نصیب ہوتی ہے
جب زلیخا نے اس کا خط پایا
خوابِ یوسف میں پھر نہ لطف آیا

کاش مجھ کو بھی چین یوں مل جائے
دلِ بے تاب کو سکوں مل جائے

اس سے اہلِ نشاط خواہاں تھے
ہر گھڑی خندہ و تبسّم کے
اس نے ہنس ہنس کے ان کو شاد کیا
نامُرادوں کو بامُراد کیا

اس نے پھولوں کے کر دیئے انبار
اس نے دُنیا کو کر دیا گلزار

خستہ دل تھی مگر یہ بیچاری
زندگی سے بہت تھکی ہاری

سو گئی ہے جو اب یہ زار و نزار
ہو گئے سب کنارہ کش یکبار

عمر سب صرفِ پیچ و تاب رہی
ہائے کیا زندگی خراب رہی

دل میں اک کش مکش مدام رہی
ایک چکر میں صبح و شام رہی

اس سے غافل طرب پرست رہے
خندۂ ظاہری پہ مست رہے

ماندۂ رنج راہِ ہستی تھی
عافیت کو سدا ترستی تھی

اب یہ آغوشِ عافیت میں ہے
عافیت خوب عاقبت میں ہے

طائرِ روحِ آسماں پرواز
کس طرح لائے تابِ قیدِ دراز

(قفس تنگ ہے بلا ہوتا)
(سانس گھٹتا ہے دم خفا ہوتا)

چھوڑ کر جسم کو روانہ ہوا
اور مرض کا تو اک بہانہ ہوا

قیدِ غم سے ہوئی ہے یہ آزاد
وسعتِ عالمِ بقا میں شاد

خُلد میں اب یہ راج کرتی ہے
خلق یاد اس کو آج کرتی ہے

عزیز احمد عزیز

محبت

رات کے پچھلے پہر تاروں کی دلکش انجمن
صبح کی آمد سے ہو جاتی ہے جس دم پر محن
میں تصور میں پہونچ جاتا ہوں وادی کے قریب
تیری آنکھوں میں جہاں تاباں تھی اُلفت اے حبیب
اور میں یہ سوچتا ہوں روح انسانی اگر
واپس آتی ہے اگر اپنی جگہ پہچان کر
تم وہاں اک مری خاطر ہی یقیناً آؤ گی
یاد ماضی کے وہ لمحے ساتھ اپنے لاؤ گی
اور پھر مجھ سے کہو گی تیری اُلفت یاد ہے
جنتوں میں بھی تیری رنگین محبّت یاد ہے
گیت اُلفت کے وہی میں گنگناؤں گا وہاں
جو کبھی تھے حاملِ پیغامِ عیشِ جاوداں
جن کو سن کر آج بھی ہے میرے دل کو یہ یقیں
دو گی تم اس کا جواب اے باغِ جنت کے مکیں

ظفر علی خاں

دھوپ اور چاندنی

روزِ روشن میں مجھے کل ماہتاب آیا نظر
دھوپ کی تیزی تھی اور ڈھلنے لگی تھی دوپہر
یوں فلک پر ماند اور پھیکا نظر آتا تھا چاند
طفلِ مکتب کا پتنگ اُڑتا ہو جیسے اوج پر

روز روشن میں پڑھی کل میں نے اک شاعر کی نظم
اس کو نثری سے بھی پایا میں نے بڑھ کر منتشر

لیکن آخر جذبۂ دل کے تلاطم کی طرح
چشمۂ خورشید کی موجیں گئیں یکسر گزر
اور شب نے آ کے شہر و وادی و کوہسار کو
چھا لیا اپنی خموشی اور حیا سے سربسر

چاند نکلا اوڑھ کر اُس وقت چادر ناز کی
حورِ عین آکر ہوئی جنّت سے گویا جلوہ گر

وادیٔ شب پر بہایا اس نے دریا نُور کا
نقرئی ابر اس نے برسایا زمیں پر یا مگر

اب جو پھر اُس چاندنی میں نظم وہ میں نے پڑھی
وجد طاری ہو گیا مجھ پر ہوا ایسا اثر

منکشف مجھ پر کیے بن کر مفسّرات نے
وہ دقائق اور معارف تھے جو اس میں منتشر

ارشد صدیقی

عالِم

گذر گئی علمائے سلف میں عمر مری
میں دیکھتا ہوں فضائے بسیط میں ہر سمت
جہاں جہاں بھی اچٹتی نگاہ پڑتی ہے
کہ ان بزرگوں کے اعلےٰ دماغ پھیلے ہیں
کبھی فریب نہیں دیتے مجھ کو یہ احباب
میں کرتا رہتا ہوں ہر روز گفتگو ان سے
انھیں سے پاتا ہوں راحت کے وقت کیف و نشاط
انھیں سے ملتی ہے تسکین بھی مصیبت میں
میں اپنے دل میں کبھی جب خیال کرتا ہوں
کہ ان بزرگوں کے مجھ پر ہیں کس قدر احساں
تو بھیگ جاتے ہیں رخسار اکثر اشکوں سے
جو غور و فکر تشکر میں بہہ نکلتے ہیں

میرا تمام تخیّل ہے ان سے وابستہ
کہ ان کے ساتھ گزاری ہے زندگی میں نے
برائیوں سے بچا خوبیوں سے پیار کیا
امید و بیم میں ان کا شریک حال رہا
ملا ہے مجھ کو انھیں کی مثال سے یہ سبق
کہ درس لیتا ہوں بن کر میں ایک ادنیٰ دماغ

مری تمام اُمیدیں ہیں ان سے وابستہ
کہ ان کے پاس ہی کرنا ہے مجھ کو جا کے قیام
انھیں کے ساتھ تو کرنا ہے طے سفر مجھ کو
وہ اک سفر کہ جو جاری رہے گا تابہ ابد
مگر یقیں ہے کہ وہ نام چھوڑ جاؤں گا
کبھی جو خاک میں مل کر بھی مٹ نہیں سکتا

بشیر احمد طاہر

شاہ بروس اور مکڑا

شہِ اسکاچ لیٹا ہار کر جب فرشِ خاکی پر
ہزیمت کا خیال آیا بڑی شدت سے رہ رہ کر

اُسے اس بات کا بھی اُن دنوں صدمہ رہا اکثر
کہ ثابت کر سکا خود کو نہ اچھا حاکم و رہبر

حصولِ تاج و دولت کے لئے کی شاہ نے یورش
رہی ناکام پر اُس کی ہر اک تدبیر اور کوشش

اثر تھا یاس کا باقی رہی تھی جب نہ کچھ اُمید
ملی اس کو اچانک اک بہادر مکڑے کی تقلید

جو گنبد کی بلندی سے گرا نو بار تھا نیچے
سہارا دستِ ہمت کا مگر چھوڑا نہ تھا جس نے

اگرچہ چوٹ نے اس کو کیا کمزور اور مجبور
مگر رکھا اُسے گھر کی خوشی نے صابر و مسرور

جو دیکھا شہہ نے یہ منظر کہا صد آفریں تجھ پر
مرے اختر مرے رہبر مرے یاور مرے صفدر
لگن مکڑے کی مایوسی پہ جب آسکتی ہے غالب
دلیری میری مایوسی کو دے گی اک نیا قالب
کئے جاتا رہا کوشش جنوں اُس پر جو تھا طاری
لیا دم اس نے منزل پر جو جان و دل سے تھی پیاری
جو کی آغاز کوشش بن گیا پھر ملک کا صاحب
عطا اس کو ہوئی راحت خوشی جس کا تھا وہ طالب
سبق لینا بروس اور مکڑے کے افسانہ سے ہر دم
نہ کرنا تم کبھی اظہارِ مایوسی و رنج و غم
علامت یہ شکست و بزدلی کی ہے مرے ضیغم
کئے جاؤ صدا کوشش یہی نعرہ رہے پیہم
یہی ہے فتح و نصرت کا نشان قانون مستحکم
اسی سے ہر زمان اُڑتا رہا ہے ملک کا پرچم

مولوی ظفر علیخاں

فراقِ روح وتن

تو اے زندگانی خدا جانے ہے کیا؟
مگر اس قدر جانتا ہوں کہ تجھ سے
مجھے اک نہ اک دن بچھڑنا پڑے گا
کہاں کس طرح اور کب ہم ملے ہیں
نہیں مجھ پہ اب تک کھلی یہ حقیقت
بہم مدتوں مل کے ہم تم رہے ہیں
شریکِ غم و رنج و شادی و راحت
بھلا درد سے دل نہ کیوں کر ہو بیچین
جب ایسے دل آرام سے ہو جُدائی
تلاطم بپا شاید آہوں کا ہوگا
لگے گی جھڑی یا مگر آنسوؤں کی
اٹھایا نہ جائے گا مجھ سے یہ صدمہ

نہ جانے کا لینا میرے سامنے نام
کبھی مجھ سے رُخصت نہ ہونا بتاکر

نہ کہنا مجھے الوداع اے دل آرام
کہ اس سے مرا دل دُکھے گا مکرّر

ملو بلکہ جب مجھ سے عقبےٰ میں پھر تم
تو کہنا وہاں السّلامُ علیکم

اقبال

پہاڑ اور گلہری

کوئی پہاڑ یہ کہتا تھا اک گلہری سے
تجھے ہو شرم. تو پانی میں جا کے ڈوب مرے
ذرا سی چیز ہے، اس پر غرور! کیا کہنا!
یہ عقل اور یہ سمجھ. یہ شعور! کیا کہنا!
خدا کی شان ہے ناچیز چیز بن بیٹھیں!
جو بے شعور ہوں یوں باتمیز بن بیٹھیں
تری بساط ہے کیا میری شان کے آگے؟
زمیں ہے پست مری آن بان کے آگے
جو بات مجھ میں ہے تجھ کو وہ ہے نصیب کہاں
بھلا پہاڑ کہاں ـ جانور غریب کہاں!

کہا یہ سُن کے گلہری نے منہ سنبھال ذرا!
یہ کچی باتیں ہیں دل سے انھیں نکال ذرا

جو میں بڑی نہیں تیری طرح تو کیا پروا؟
نہیں ہے تو بھی تو آخر مری طرح چھوٹا

ہر اک چیز سے پیدا خدا کی قدرت ہے
کوئی بڑا، کوئی چھوٹا، یہ اس کی حکمت ہے

بڑا جہان میں تجھ کو بنا دیا اُس نے
مجھے درخت پہ چڑھنا سکھا دیا اُس نے

قدم اٹھانے کی طاقت نہیں ذرا تجھ میں
نِری بڑائی ہے! خوبی ہے اور کیا تجھ میں

جو تو بڑا ہے تو مجھ سا ہنر دکھا مجھ کو
یہ چھالیا ہی ذرا توڑ کر دکھا مجھ کو

نہیں ہے چیز نکمّی کوئی زمانے میں
کوئی بُرا نہیں قدرت کے کارخانے میں

مولوی محمد اسمٰعیلؒ

سر جون مور کا جنازہ

نہ بانگِ دہل تھی نہ ماتم کا باجا
چلا سوئے مدفن جب اس کا جنازا
تلنگوں نے بھی قبر پر اس جواں کی
ودائی کوئی توپ اس دم نہ داغی

کسی طرح سنگیں سے گھاسیں ہٹا کر
لٹایا اُسے کنجِ مرقد میں لا کر
اندھیرا تھا اور رات تھی سنسناتی
کرن چاند کی تھی کبھی جھلملاتی
دمِ واپسیں شمع بھی جھینپتی تھی
عجب بے کسی تھی عجب بے بسی تھی

نہ سینہ ہی اس کا کفن سے چھپا تھا
نہ جسم اس کا چادر میں لپٹا ہوا تھا
مگر مثلِ شیر جواں وہ بچارا
تھا بے جان جنگی لباسوں میں سوتا

پڑھا فاتحہ مختصر ہم نے اس دم
کوئی لفظ افسوس بولے نہ واں ہم
رہے غور سے دیکھتے اس کی صورت
یہ ڈر تھا کہ آتی ہے کل کون آفت

لحد کھودنے میں تھے مصروف جب ہم
سرہانے کو صاف اس کے کرتے تھے جس دم
خیال اپنے دل میں یہی تھا گزرتا
کوئی اجنبی خواہ دشمن مبادا
حقارت سے لات اس کے سر پر نہ مارے
رہیں جب سمندر میں ہم لوگ سارے

اہانت کا لفظ اس کی نسبت کہینگے
اسے بالیقیں گالیاں بھی وہ دینگے

خیال اُس جواں کو نہ ہو اس کا اصلا
اُسے چھوڑ دیں قبر میں گر وہ سوتا

ہوا جب کہ کام اپنا انجام آدھا
بجا اُس گھڑی کوچ کرنے کا گھنٹا
صدا توپ کی دُور سے آ رہی تھی
عدو کی جماعت جسے چھوڑتی تھی

اُسے خون آلود میداں سے لا کر
رکھا ہم نے آہستہ مرقد کے اندر
نہ مصرع کوئی لوحِ تُربت پہ کھودا
نہ سنگِ لحد قبر پر اُس کی کھودا
دیا چھوڑ تنہا وہاں سے چلے ہم
جہاں اس کی نام آوری بس تھی ہمدم

عزیز احمد عزیزؔ

آخری التجا

جب میں سو جاؤں عروسِ موت کی آغوش میں
اے مرے محبوبِ جاں رونا نہ آکر جوش میں
رنج و غم کے گیت تم گانا نہ میرے واسطے
جان اپنی مفت میں کھونا نہ میرے واسطے
میرے مرقد پر نہ تم ڈالو گلابِ عطر بار
میری تربت پر نہ ہو کوئی درختِ سایہ دار
سبزۂ تر میرے مدفن پر اُگا ہو ہر طرف
قطرۂ شبنم ہو اور بھیگی فضا ہو ہر طرف
تم اگر چاہو تو مجھ کو یاد رکھو شوق سے
بھولنا چاہو اگر مجھ کو بھلا دو شوق سے
میں کسی کو اس جگہ سے دیکھ سکتی ہی نہیں
کیفِ باراں کا اثر محسوس کر سکتی نہیں

محمد عباس کاظمی نیشاپوری

روزِ ابد

نہیں بزمِ عیش و عشرت کا حسینو یہ ترانہ
میں سُنا رہا ہوں تم کو غم و درد کا فسانہ
یہ حسین روزِ ابد کے غمِ عشق کا بیاں ہے
یہ عجیب داستاں ہے یہ غریب داستاں ہے
لبِ ساحل آ کے ٹھہرا تھا سفینہ اس پری کا
وہ بنی تھی اس کی مہماں جو ہوا تھا اس پہ شیدا
ابھی مل رہے تھے باہم وہ محبتوں کے مارے
ادھر اُٹھ رہا تھا طوفان لئے آگ کے شرارے
وہ ہوا کے تیز جھونکے کہ اڑا دیں ہوش سب کے
وہ تڑپ کے اُٹھیں موجیں وہ قدم بڑھے غضب کے
کوئی روزِ ابد سے کہتا تھا بعد نیاز و اُلفت
نہ ابھی یہاں سے جاؤ تمھیں ہے اگر محبت
اسے بھی ہلاکتوں کے نظر آ رہے تھے سائے
تھی عجیب کش مکش میں کہ وہ جائے یا نہ جائے
یہ تھا عشق کا تقاضا کہ نہ جا کہیں خدارا
نہ ٹھہر یہاں پہ ہرگز یہ حیا کا تھا اشارا

اسی شب تھا اس کے گھر میں بھی ضیافتوں کا ساماں
وہ اگر وہاں نہ پہونچے گی تو کیا کہیں گے مہماں

اسے جان کی بھی اپنی نہ رہی تھی کوئی پروا
یہی ڈر تھا سب پہ غالب کہیں ہو نہ جائے رسوا

جو تھا دل سے اس کو پیارا نہ کہا جب اس کا مانا
تو لگا کے جاں کی بازی ہوئی الغرض روانا

ابھی تھوڑی دور پہنچا تھا وہ بدنصیب بجرا
کہ بھنور میں پھنس کے آخر ہوا تہ نشین دریا

جسے لوگ جانتے تھے ہے بہار حسن و خوبی
وہی گردش فلک سے تہ آب آہ ڈوبی

وہی خوفناک موجیں جو لئے تھیں لشکر غم
بصد اضطراب کرتی تھیں قضا پہ اس کے ماتم

اسی رات سب نے دیکھا یہ عجیب اک کرشمہ
کہ فضا میں جل رہا تھا کوئی سرخ رنگ شعلہ

یہ حسین روز ابل کے غم مرگ کا نشاں تھا
کہ فلک کا دیدۂ دل بھی الم سے خوں فشاں تھا

نہ ملی اجل کے ہاتھوں اسے اتنی سی بھی مہلت
کہ عزیزوں سے وہ اپنے دم مرگ ہوتی رخصت

نہ لحد پہ شمع گریاں تھی نہ دوست رونے والا
وہ نرالی تھی تو مرنے کا بھی طور تھا نرالا

ارشد صدیقی

دھنک

مرا دل فرطِ مسرت سے اچھل پڑتا ہے
آسماں پر نظر آتی ہے دھنک جب مجھ کو

مرے بچپن کے زمانے میں تھی اس کی یہی شکل
اور اب بھی ہے یہ ویسی ہی کہ جب میں ہوں جواں
عمرِ آخر میں بھی اس کی یہی صورت ہوگی
اور یہی شکل رہے گی مرجانے کے بعد

طفلی انسان کی فطرت کو جنم دیتی ہے
میر خواہش ہے کہ بندھ جائیں مری عمر کے زن
اسی معصوم محبت کے حسیں رشتے میں
(فطرتاً ہوتی ہے بچے کو جو ماں باپ کے ساتھ)

سید امتیاز علی تاج

پریوں کا گیت

پہاڑیوں اور وادیوں میں
گھنے درختوں کی ٹہنیوں میں
چمن چمن اور کیاریوں میں
ہر اک جگہ میری رہگذر ہے
تلاطمِ بحرِ خشمگیں پر
تموّجِ سیلِ آتشیں پر
خرامِ مہتاب سے سبکتر
میں ساری دنیا میں گھومتی ہوں
ہے وہ جو پریوں کی شاہزادی
سپرد ہے میرے خدمت اُسکی
کہ رقص سبزے پہ جب کریگی
میں حلقے شبنم سے ترکروں گی

یہ اُونچے گاؤ زباں کے پودے
بنے ہوئے ہیں مصاحب اس کے
لباس پر جن کے پھُول بوُٹے
سنہری یا لالہ گوں ہیں سارے
تمام پریوں کے ہیں یہ پیارے
انھیں کی خوشبو بسی ہوئی ہے

بشیر احمد طاہر

پھولوں کی تڑپ

زمیں کے پردے سے باہر آنے کو پھول سارے مچل رہے ہیں
ہزاروں ہیں جو زمیں تلے ہیں
عجیب سرگوشیاں ہیں باہم
صبا یہ بولی کہ آؤ آؤ
بہار تم سب کی منتظر ہے
کلی یہ بولی چلو کہ منظر وہ دل کشا ہے
عجب درختوں پہ چہچہا ہے
یہ گل نے چاہا سنائے بلبل جو اپنے نغمے
تو زر وہ اپنا نثار کر دے
تماشہ بینی کو چشم نرگس بھی منتظر تھی
یہ سوچی چمپا کسی کا جوڑا بسا کے چھوڑے
حنا کو سوجھی کسی کے ہاتھوں کو رنگ دیوے

ہنس کے گیندا بھی مسکرایا
بنفشہ بولا کہ میں بھی آیا
صبا یہ بولی کہ آؤ آؤ
بہار تم سب کی منتظر ہے

زمیں کے اندر کبھی یہ سارے اکڑ کے سردی میں سو رہے تھے
کبھی یہ گرمی کی آگ سے بھی نکل کے باہر جھلس رہے تھے
کبھی تھپیڑوں سے بادِ صرصر کے مار کھا کے تڑپ رہے تھے
مگر بہاروں کے واسطے بھی لباس اپنا بدل رہے تھے
کہ اہلِ گلشن کو چلتے چلتے بہار اپنی دکھا کے جائیں
دُکھے ہوئے دل جوان کو دیکھیں تو رنج و غم سارے بھول جائیں

عزیز احمد عزیزؔ

حسین خواب

دیکھ کر بیدار ہو جاتا ہوں تجھ کو خواب میں
ایک ہنگامہ ہے سازِ تشنۂ مضراب میں

چل رہی ہیں ہر طرف ٹھنڈی ہوائیں خوش گوار
آسمان پر جگمگاتے ہیں ستارے بے حساب

اک فرشتہ مجھ کو لے آیا ترے در کے قریب
تشنہ لب ہوں پا کے پھر بھی حوضِ کوثر کے قریب

ہو گئیں بہکی ہوائیں ایک ندی پر خموش
یاسمیں کی نکہتیں بھی ہو گئیں آوارہ ہوش

خواب میں دلکش خیالوں کی طرح جانِ بہار
گل کے پاس آ کر فنا ہو جیسے بلبل کی پکار

اے مری روحِ تمنا راہِ اُلفت کی ضیا
کاش میں بھی ترے دل تک آ کے ہو جاؤں فنا

ہاے سبزہ پر پڑا ہوں میں اٹھا لے ایک بار
مر رہا ہوں نا امیدی میں نہیں دم بھر قرار
اپنی اُلفت کو حسین بوسوں سے گرما دے ابھی
سرد ہونٹوں زرد سی پلکوں پہ برسا دے مری
دل دھڑکتا ہے مرے سینے میں کب سے بار بار
مجھ کو سینے سے لگا لے تا کہ آجائے قرار

ارشد صدیقی

تشویش

میں ترے پیار سے ڈرتا ہوں مری روحِ جمال
تجھ کو لیکن مری الفت سے خطر کیا معنی ؟
میں ترے لہجہ و جنبش سے جھجک جاتا ہوں
خوف تجھ کو مری باتوں سے مگر کیا معنی ؟

ہے مری روح تو احساس کی گہرائی میں
کھیل سکتی ہے جہاں روحِ محبت تیری
مرے جذبات تو معصوم ہیں اے جانِ بہار
جن سے کرتا ہوں میں ہر وقت عبادت تیری

بشیر احمد طاہر

میرے بعد

مرے بعد آنسو بہانا نہ پیارے
لحد پر نہ کرنا مرے نوحہ خوانی
یہ تربت پہ میرے نہ چادر چڑھا تو
نہ لا عود و گل یاں، لگا نہ چنبیلی
یہ سبزہ نمایاں ہو میری لحد پر
جو دل چاہتا ہے، مجھے یاد رکھنا
نہیں چاہتا ہے اگر، بھول جانا

دکھائی نہ دے گی مجھے دھوپ چھاؤں
نہ ہی باد و باراں کا احساس ہوگا
سنوں گا نہ بلبل کی نغمہ سرائی
زمیں کے تلے نہ کوئی پاس ہوگا
شفق جیسے ہو جھلملائی کوئی
یہ تصویر ہو گی مرے خواب کی

تلوک چند محروم

نغمۂ آسمانی

کیا شان ہے فرشِ آسماں کی
چنیاں ہیں جڑی ہوئی سنہری
ہے خرد تریں کرہ بھی اس کا
مانند فرشتہ نغمہ پیرا
گردش میں ہیں صاف گائے جاتے
اور سُر ہیں فرشتوں سے ملاتے
ہے ایسا ہی نغمۂ نہانی
جزوِ ارواحِ غیر فانی
جب تک ہے یہ خاک تن میں روپوش
محروم ہے اس سے پردۂ گوش

محمدّ عباس کاظمی نیشاپوری

بلنہیم جنگ کے بعد

شام کو کام سے پا کے فرصت
زندگی کو بنائے تھا جنّت

دھوپ کھاتا تھا مہکی ہوا میں
گرمی موسم کی رنگیں فضا میں

عہد پیری میں بھی تھی جوانی
یاد آتی تھی گزری کہانی

پیارا پیٹر لئے کاسہ سر
آگیا پاس حیران و مضطر

دل کی ٹھنڈک تھی آنکھوں کا تارا
تھا مری زندگی کا سہارا

اتنے میں آگئی اس کی خواہر
رہ گئی وہ بھی حیران و ششدر

بڑھ گئی حرکتِ قلب مضطر
کاٹ کے سر جو دیکھا زمیں پر
پوچھا دونوں نے اے پیر دانا
کچھ تو کہئے یہ ہے ماجرا کیا
پڑ گیا سوچ میں کیا بتاؤں
جنگ کا حال کیسے سناؤں
کی تھی دشمن نے ہم پر چڑھائی
کس قیامت کی تھی وہ لڑائی
پڑ گئی تھی عداوت دلوں میں
کار فرما تھی نفرت دلوں میں
جنگ و غارت پہ ظالم تلے تھے
سیکڑوں کیا ہزاروں مرے تھے
ہم نے جانوں کی بازی لگائی
فتح تب جا کے دشمن پہ پائی
لاج رکھ لی تھی ہم نے وطن کی
دے کے قربانیاں جان و تن کی
سن کے احوال لڑکا یہ بولا
یہ تو فرمایئے کیا سبب تھا
کیوں ہوئی ہم سے ناحق لڑائی
کس لئے ہم پہ آفت یہ ڈھائی

بے گناہوں کی جانیں گئیں کیوں
قوتیں دونوں آ کے لڑیں کیوں

جانتا تھا نہ میں اس کو اصلا
دشمنی کا سبب کیا ہوا تھا

صرف معلوم تھا مجھ کو اتنا
فتح کا ہم نے باندھا تھا سہرا

چپکے چپکے سُنا کی وہ لڑکی
بھولے پن سے پھر اس طرح بولی

کھیل سمجھا ہے خوں کا بہانا
کس قدر خود غرض ہے زمانا

حکمراں کاش اتنا سمجھتے
سب ہیں مخلوق حق کے بنائے

ملک ہو مال ہو خواہ شہرت
ساری دُنیا کی ہو بادشاہت

ہے فنا سب کو کون و مکاں میں
رہ نہ جائے گا کچھ بھی جہاں میں

جمالِ شے سرورِ قلب بن کر
نئی اک شان سے ہر دم عیاں ہے
وجود اس کا عدم سے ہے منزّہ
ملی اس کو حیاتِ جاوداں ہے

محمد عباس کاظمی نیشاپوری

پروازِ محبت

ٹوٹ جاتا ہے فانوس جس دم
روشنی اس کی ہو جاتی ہے کم
منتشر جب ہوئے مل کے بادل
قوس ہوتی ہے آنکھوں سے اوجھل
جب ہوئے ختم رنگین ترانے
بھول جاتے ہیں شیریں ترانے
چنگ کا تار جس وقت ٹوٹا
جان لو راگ بھی اس سے چھوٹا
پھول مرجھا گئے جب خزاں سے
کیا تعلق رہا بوستاں سے
گھر گیا دل ہی جب آفتوں سے
کیسے خوشیوں کے وہ گیت گائے
شمع خاموش کی کیا ہو پروا
کیا کرے لے کے جام شکستہ

کشتیِ دل ہوئی نذرِ طوفاں
اب تو نالوں کا ہے صرف ساماں
کہہ دو خوشیاں کہیں اور جائیں
حسرت و یاس آنسو بہائیں
جب کبھی ملتے دو دل ہیں باہم
ناتواں پر ہے بس بارشِ غم
طرزِ اُلفت کا ہے یہ نرالا
ٹوٹے گھر میں ہے رہنی ہمیشہ
کوئی پوچھے محبت سے اتنا
تو نے وہ کیوں محل اپنا چھوڑا
تجھ کو پہلے سے معلوم ہی تھا
شور و شر سے بھری ہے یہ دُنیا
تیرے ارماں مٹائیں گے تجھ کو
سیلِ غم میں بہا دیں گے تجھ کو
طعنہ زن عقل بھی ہوگی تجھ پر
تیرا دیکھے گی ٹوٹا ہوا گھر
کون تجھ کو بچائے گا اس دم
گھیر لے گا تجھے ورطۂ غم
مضمحل ناخُدا ہو رہا ہے
موج و گرداب کا سامنا ہے
ٹوٹی کشتی کو پھر کیوں لیا ہے
اے محبت ترا بس خُدا ہے

بشیر احمد طاہر

ناپائیداری

کھلا پھول شاداب جو آج ہے
خزاں سے وہ ہونے کو تاراج ہے
یہ دلکش مناظر جو ہیں رو برو
سدا یہ رہیں دل کی ہے آرزو
خوشی یوں دکھاتی ہے دل میں جھلک
اندھیرے میں بجلی کی جیسے چمک

نہیں خیر و برکت یہاں دیر پا
نہ ہی دوستی ہے وفا آشنا
یہ حرماں نصیبی ہے کیسی خدا!
کہ مہر و وفا کی نہیں کچھ جزا

سدا اِن سے رہتا نہیں کوئی شاد
مگر دل میں رہتے ہیں یہ بنکے یاد

سحر کی تھی وہ جلوہ سامانیاں
چمن میں صبا کی وہ گُلکاریاں
یہ سب روزِ روشن کا تھا اک فسوں
سرِ شام ملتا ہے دل کو سکوں
کھلی آنکھ، پھر تو ہے اور تیرا غم
یہ کیسا غضب ہے، یہ کیسا ستم

عزیز احمد عزیز

شکوہ تقدیر

اے مری تقدیر خوابیدہ ہمیشہ سے تجھے
دشمنی ہے بیر ہے اُلفت کے شیریں نام سے
جب کبھی آپس میں ہم ملتے ہیں شیدائے جمال
مدعا دل کا بیاں کرتے ہیں جب ہم خستہ حال
تیغ ہجراں بن کے آتی ہے ہمارے درمیاں
جیسے آجائے کسی گلزار میں بادِ خزاں
آہ بھرتے ہیں تڑپتے ہیں محبت کے مریض
دم بدم ہوئے جاتے ہیں اُلفت کے مریض
دن جوانی کے یہاں تک صرف ہجراں ہو گئے
زندگی کے لہلہاتے باغ ویراں ہو گئے
تیری خواہش ہے محبت سے کنارہ کش ہوں
لب پہ میخانہ کی ہو تحقیر اور میکش رہوں
اور کو ساتھی بنالوں زندگی کے باغ کا
یہ چمن ہستی کا ہو جائے نمونہ داغ کا

جن میں اُلفت کی نہیں خوشبو وہ مل سکتے نہیں
بے نسیم صبح گاہی پھُول کھل سکتے نہیں

قسمت خوابیدہ مری التجا کو مان لے
تو خدارا میری عرض مدعا کو مان لے

عفو کردوں گا میں دل سے تیری بے پروائیاں
بھُول جاؤں گا میں دل سے تیری ناانصافیاں

مری محبوبہ سے پھر مجھ کو ملا دے ایکبار
غنچۂ اُمید پھر مرا کھلا دے ایک بار

عزیز احمد عزیز

بیتے ہوئے دن

جب رات کو ذرّے ذرّے پر سنّاٹا سا چھا جاتا ہے
اور نیند کا دیوتا انسانوں پر قابو اپنا پاتا ہے
بھولی بسری باتیں دل میں آتی ہیں تڑپاتی ہیں
رنج و الم کی تصویریں آنکھوں میں پھر جاتی ہیں
گاہ مسرت کی نہروں میں خود کو میں کھو دیتا ہوں
گاہ اداسی میں گھر کر منہ اشکوں سے دھو لیتا ہوں
رنگین محبت کے قصّے پیمانِ وفا یاد آتے ہیں
جس باغ تمنا میں تھی صبا پیغام خزاں کے لاتے ہیں
جب رات کو ذرّے ذرّے پر سنّاٹا سا چھا جاتا ہے
اور نیند کا دیوتا انسانوں پر قابو اپنا پاتا ہے
بھولی بسری باتیں دل میں آتی ہیں تڑپاتی ہیں
رنج و محن کی تصویریں آنکھوں میں پھر جاتی ہیں

دنیائے تخیل میں ساتھی جو آئے تھے وہ ایسے بچھڑے
سرما کی ہواؤں میں جیسے گر جائیں درختوں سے پتے

اک بزم طرب میں ہوں تنہا ہوتا ہے یہ احساس مجھے
روشن تھے جہاں بجلی کے کنول مخمور فضا تھی پھولوں سے

ضو پاش ہوائیں چلتی تھیں مدہوش جہاں اک دنیا تھی
عشرت کے ترانے تھے ہر سو ساغر پہ نگاہیں تھیں سب کی

وہ محفل عشرت خالی ہے اب عیش کا جویا کوئی نہیں
میں خوگر غم ہوں اندھیرا ہے اور ساتھی میرا کوئی نہیں

جب رات کو ذرّے ذرّے پر سنّاٹا سا چھا جاتا ہے
اور نیند کا دیوتا انسانوں پر قابو اپنا پاتا ہے

بھولی بسری باتیں دل میں آتی ہیں تڑپاتی ہیں
رنج و محن کی تصویریں آنکھوں میں پھر جاتی ہیں

ہمدم جمساز مغرب حصہ اول صفحہ ۱۴۸ پر دیکھئے۔

محمد عباس کاظمی نیشاپوری

اسکائی لارک

پرندہ نہیں تو ہے اک روح روشن
ترے دم سے بیدار دنیا کا گلشن

نکلتے ہیں تیرے گلے سے وہ نغمے
تعجب میں پڑ جاتے ہیں جن کو سن کے

سنو سننے والو صدا دے رہے ہیں
محبت کا تیری پتہ دے رہے ہیں

فضاؤں میں پرواز تیری ہمیشہ
سدا آسمانوں پہ آواز تیری

جب آواز ہے اس قدر پیاری پیاری
تو صورت بھی ہو گی خدا کی سنواری

برستے ہیں نغمے ترے آسماں سے
پتہ کچھ نہیں آ رہے ہیں کہاں سے

تجھے سُن کے میں وجد میں آرہا ہوں
ترانے ترے ہیں جو میں گا رہا ہوں

محبت کے پیغام لائیں ہوائیں
ترے نغموں سے گونجتی ہیں فضائیں

دکھائی کبھی خواب میں بھی نہ صورت
نہیں ہم کو معلوم کیا ہے حقیقت

تفکر سے دُنیا کے آزاد کردے
کوئی گیت پھر گا کے دل شاد کردے

کوئی روح ہے یا فضائی پرندہ
ہمیں بھی بتا دے تو اپنا طریقہ

ترے گیت میں ہیں مسرت کی لہریں
مرے دل میں جاری محبت کی نہریں

ہمیشہ ہے تجھ میں بہارِ محبت
نہیں جانتا خار زارِ محبت

کھٹک تجھ میں پیدا نہیں الفتوں کی
خلش تیرے دل میں نہیں ہے غموں کی

ہماری محبت میں رنج و الم ہے
ترا دل نہیں واقفِ درد و غم ہے

وہی سب سے شیریں ہمارے ترانے
غموں میں سموئے ہیں جن کے فسانے

ہماری محبت میں بربادیاں ہیں
تری راہ الفت میں آزادیاں ہیں
ہمیں بھی دکھا وہ محبت کی راہیں
نہ جن پر پڑیں دشمنی کی نگاہیں
ہمیں بھی سکھا دے کوئی وہ طریقہ
نظر آئے جس میں مسرت کا چہرہ
اگر تیری اُلفت کو ہم ڈھونڈھ پائیں
تو خوش ہو کے اس کو گلے سے لگائیں
ترانوں میں تیرے وہ شیرینیاں ہیں
فدا جن پہ دُنیا کی رنگینیاں ہیں

علم دین

غمِ غمگسار

اِس خستہ تن کی لاش سے ہُو رواک دریا ہیں
رو رو کے گُھل رہی ہے غمِ غمگسار میں
دل تو ہے محوِ خواب کسی کے مزار میں
ہو خاک خوش وہ مجمعِ عشاقِ زار میں
چھپتے نہیں ہیں چاہنے والے نگاہ میں
مشغول کوئی چاہے تو ہو اشک و آہ میں

درماندگی میں یادِ وطن کی ہے آ رہی
اور دل کو بے کسی کی ہے غربت ستا رہی
محبوب تھے جو گیت اُسے وہ ہے گا رہی
نالے فراق و غم کے ہے سب کو سُنا رہی
کیا جانے سُننے والا جو محوِ سرور ہے
مطرب کا دل شکستہ ہے فرقت سے چُور ہے

وہ نوجوان اپنے وطن پر نثار تھا
یا آستانِ یار پہ سجدہ گزار تھا
رشتے تھے دو یہی کہ اُسے جن سے کار تھا
وابستہ جن سے اُس کی رگِ جاں کا تار تھا
حسرت سے اہلِ ملک کو اب دن بھی رات ہے
اور اس کی بھی چراغ سحر کی حیات ہے
آرامگہ جہاں ہے شعاع اُمید کی
کوئی بنائے قبر وفا کے شہید کی
جب تا رہائے مہر خوشی دیں نوید کی
خلدِ بریں میں عشرت فردائے دید کی
چمکیں گی خواب گاہ پہ اس کی یہ غرب سے
یعنی کہ اس کے مسکنِ اندوہ و کرب سے

بدر الزماں

غریب الوطن طوطا

دل کی وہ گہری محبت قلب کی مہر و وفا
کی عطا خلّاق عالم نے جو کُل ذی روح کو
ہے غلط یہ گر کسی نے دل میں ہو ٹھہرا لیا
صرف انساں کے لئے مخصوص ہے یہ گنج تو

ساحلِ ہسپانیہ پر ایک طوطا خوش نوا
ہو گیا کنج قفس میں عنفواں ہی میں اسیر
تھی درخشاں گر جبیں تو بال و پر تھے خوشنما
خطۂ مُلّا کے ساحل پر اُسے لایا خمیر

وہ دل آرا گلستاں، نکہت فشاں، رشک جناں
جس گلستاں میں ہوتے تھے رشک ریحاں سبکے سب
وہ وطن کے تازہ میوے مہر و ماہ و آسماں
سب کو رُخصت کر کے خود رخصت ہوا با چشم تر

ان کے بدلے اب غبار و گردِ صحرا تھا نصیب
تھی زمیں دشت بلا تاریک سارا آسماں
کوہسار و موج و ساحل اور دریائے مہیب
پیش تھا زرّیں نگاہوں کے یہ وحشت ناک سماں

جب دیارِ غیر کا ممنون منّت وہ ہوا
بولنا بھی آگیا اک عمر بھی کر دی بسر
سبز و زرّیں پر ہوتے خاکی، بڑھاپا آگیا
تھا مگر یادِ وطن سے کچھ فزوں دردِ جگر
چشم کی بینائی رخصت گنگ کے ظاہر نشاں
ڈال کر چتون پہ بل ہنس کر ہوا چُپ سربسر
ساحلِ مُلاّ پہ ناگہ ہوگیا وارد وہاں
ایک ہسپانی کہیں سے، تھا وہ نووارد مگر
اس نے ہسپانی زباں میں گفتگو کی اس سبب
بے زباں طائر نے کچھ اس کا جواب اس کو دیا
پھڑپھڑایا چیخ کر کنج قفس میں پر غضب
گر پڑا گرتے ہی دُنیا سے سفر وہ کر گیا

محی الدین صدیقی

انقلاباتِ ہستی

الوداع اے جاہ و حشمت الوداع
ہستیٔ انساں ہے کیا ناقص متاع

نخلِ اُمید آج ہے شاداب و تر
ہیں لگے عزت کے کل اس میں ثمر

تیسرے دن گردشِ چرخِ زبوں
اس پہ برساتی ہے لاکر ابرِ خوں

خاک میں لو وہ امیدیں مل گئیں
جڑ تلک شاخیں شجر کی ہل گئیں

مجھ پہ بیتی ہے یہ ساری واردات
اوجِ دنیا کی یہ دیکھو کائنات

یوں پڑا ہوں اب تو میں بے بال و پر
جڑ سے جیسے گر پڑے تازہ شجر

شوخ بچوں کی طرح میں سالہا
بحرِ عظمت میں سدا تیرا کیا
شومیِ طالع سے تھا غافل مگر
تیرنا تو بنوں کے بل ہے پُرخطر
اس غرورِ جاہ نے انجام کار
چھوڑ تنہا مجھ کو لی راہ فرار
طولِ خدمت نے کیا زار و نحیف
بحر ہے موّاج اور میں ہوں ضعیف
اے شکوہ وحشمت و کبر و غرور!
ہو گیا ہوں سخت میں تم سے نفور
دل مرا ہے تم سے بالکل پھر گیا
کھل گیا اب رازِ سربستہ جو تھا
رحم کے قابل ہے اس کا حالِ زار
لطفِ شاہی کا جو ہو امیدوار

محمد عباس کاظمی نیشاپوری

شام کا ستارہ

سُرخ رنگت کی لو شام آئی
تیرے آنے کا پیغام لائی

آفتاب اپنی منزل پہ آیا
چار جانب اندھیرا سا چھایا

مہر کہسار میں چھپ گیا ہے
تیرے آنے میں اب دیر کیا ہے

خوشنما اور ہوتا ہے منظر
جگمگاتا ہے تو جب افق پر

کیسے دلکش ہیں تیرے نظارے
تجھ سے ملنے کو آتے ہیں تارے

شادی و امن و اُلفت کا پیغام
لا کے دیتا ہے سب کو سرِ شام

وقت تجھ کو ملا ہے سُہانا
ہاں سُنا دے بہشتی ترانا

شام کی ملکہ آئی ہوئی ہے
تیری اس تک رسائی ہوئی ہے
پیار کا گیت تو ایسا گا دے
آگ اُلفت کی دل میں لگا دے

ہے شفق کا ملے منہ پہ غازہ
ہو گیا حسن کچھ اور تازہ
مست کر دے گی پھولوں کی خوشبو
راہ پر اُس کی جا کے چمک تو

اُلفتِ گل پہ اترا رہی ہے
بُلبُل خوش نوا گا رہی ہے
کیا ٹھکانہ جو چلنے نہ پائیں
آہیں بھرتی ہیں دھیمی ہوائیں

اس لئے ہے اندھیرا سا ہر سو
چاند سے منہ پر بکھیرے ہیں گیسو
شام اسی طرح آیا کرے گی
میری خوشیوں کو لایا کرے گی

ساتھ اس کے مگر تو بھی آنا
اپنا پُر نور چہرہ دکھانا
تو ہے پیارا تیرے دوست پیارے
ہاں چمک میری قسمت کے تارے

سیّد احمد کبیر

دُنیا کی چیزوں میں خدا کی قدرت

ہر ایک چیز میں ہے ایک ذاتِ پاک کا نور
اسی کی قدرت وصنعت کا ہے جہاں میں ظہور
وہی خدا ہے نہیں ہے کوئی شریک اُس کا
اسی کا دشت وبیاں میں ہے چمن پھولا
گذر ہے پیکِ نظر کا بھی جس جگہ دشوار
بسا کے پھولوں سے وہ بن بنا دیا گلزار

یہ شاہدانِ گل و غنچہ ۔ سبزہ و گلزار
کہ جن سے چہرۂ قدرت پہ ہے یہ حسن و بہار
اُسی نے کتمِ عدم سے کیا انھیں موجود
وہی ہے خلق کا مالک وہی ہے اک معبود
صفوفِ غنچہ و گل میں ہے انتظام اس کا
فصولِ سال کے دوراں میں ہے نظام اس کا

وہ ڈالتا ہے نشانِ حدودِ ضبطِ خزاں
نہیں ہے جس سے تجاوز کا بال بھر امکاں
وہ اعتدال پہ لاتا ہے حدّتِ گرما
وہ کند کرتا ہے دندانِ شدّتِ سرما
کیا شگوفوں کو کس بے نظیر صنعت سے
غلافِ برگ میں محفوظ جملہ آفت سے
ابھی یہ گل تھا نہ جورِ خزاں سے کملایا
کہ اور پھول کا نقشِ شگفتگی کھینچا
ہزار جان سے قربان صانع یکتا
بیان اس کے کمالوں کا ہو نہیں سکتا
شگوفہ و گل و شاخ اور برگ و بار شجر
اک اتنے بیج میں یہ بھر دیئے منوں جوہر
اسی کی قدرتِ کامل ہے سب میں جلوہ نما
وہ مالک اور ہر اک ذی حیات کی ہے بقا
فقط نتیجۂ صنعت کا نام ہے دُنیا
اور اس کی علتِ اولے ہے ذاتِ پاکِ خدا
وہ ایک روحِ مجرّد ہے لوثِ جسم سے پاک
اسی کا حکم ہے نافذ سمک سے تا بہ سماک
یہ رنگِ گل یہ نزاکت یہ دُلربا صورت
اسی کے سب ہیں سراسر کرشمۂ صنعت

عذارِ گل پہ کوئی نقش و خطّ و خال نہیں
کہ رشحۂ قلمِ صنع ذوالجلال نہیں
پیارے رنگ دیئے بھینی بھینی بُو بخشی
بہارِ حسن و لطافت سے آبرو بخشی
اسی نے بیجوں کو دیں شکلہائے گوناگوں
کہ جن سے روئے زمیں ہے تمام بوقلموں
خوشا نصیب جو ہر دم ہے محوِ یادِ خدا
اسی کا خلوت و جلوت میں دھیان ہے رہتا
مشامِ جاں میں اگر اُس کے بُوئے گُل آئی
زباں نے اس کی اگر لذتِ ثمر پائی
تو اس کے سینے میں اک جوشِ معرفت اٹھا
وفورِ عشق الٰہی کا دل میں زور ہوا
جہاں میں شے جو کوئی شان و حسن کی دیکھی
نظر درختِ تناور پڑا کہ دوب ہری
سرِ نیاز جھکایا نہ کچھ خلاف کیا
زباں سے ہستیِ صانع کا اعتراف کیا

آخری تمنا

میں تو مرتا ہوں مگر ہے یہ وصیت میری
مجھ کو روئے نہ مرا سوگ منائے کوئی

چار پھولوں کو ترستی رہے تربت میری
شمع کیا اُس پہ دیا تک نہ جلائے کوئی

کچھ ہری گھانس نم آلودہ ہے درکار مجھے
جو نہ سایہ مری خاک کو روپوش کرے

کیا پس مرگ زمانے سے سروکار مجھے
خواہ وہ یاد رکھے، خواہ فراموش کرے

نہ اندھیرا مجھے مرقد کا دکھائی دے گا
نہ مجھے بارشِ پیہم کی شکایت ہوگی
نغمۂ بلبلِ شیریں نہ سُنائی دے گا!
اپنے گانے سے اسے خود ہی اذیت ہوگی

عالم شام و سحر مجھ پہ رہے گا طاری
جو نہ بڑھتا ہے اور نہ گھٹتا ہے کبھی
جب نہ دنیا میں رہا میں تو خبر کیا اس کی
اہلِ دُنیا کی مجھے یاد رہے یا نہ رہے

بشیر احمد طاہر

مغفرت

پہنائے دشت و در میں، ستاروں کی چھاؤں میں
اک قبر میرے واسطے للّٰہ بنائیے
میں اور خدا کہ میں نے خوشی سے گذاری عمر
اور جان دی خوشی سے، یہ سب کو سُنائیے

مذکور شعر سنگِ لحد پر ہو بعدِ مرگ
جیتا تھا وہ اِسی جگہ مرنے کے واسطے
منزل سے آ لگا ہے مُسافر سفر کے بعد
لوٹا ہے یا کہ کوئی شکاری شکار سے

عزیز احمد عزیز

اُلفت

میری جان مدعا تو ہے گلاب خوشنما
ابتدائی جون میں جو شاخِ گل میں ہے کھلا

تو سراپا گیت ہے اک نغمۂ جادو طراز!
کیفِ مستی جس کے ساتھی ہم زباں جس کا ہے ساز

کیا کہوں اے مہ جبیں تو کس قدر ہے خوبرو
مری رگ رگ میں مری ہر سانس میں ہے تو ہی تو

تجھ سے میں اس وقت تک اُلفت کروں گا مہ لقا
خشک جب تک ہو نہ جائے گا سمندر دلربا

جب پگھل جائیں گی یہ اونچی چٹانیں یہ پہاڑ
گرمیٔ خورشید سے جب ہو گی ان کی چھیڑ چھاڑ

رات دن میں تری الفت میں رہوں گا دلفگار
ساتھ دے گی میرا جب تک زندگی

اب میں جاتا ہوں خدا حافظ مری جانِ بہار
دیر تک رکھوں گا میں لیکن نہ تجھ کو سوگوار

آؤں گا میں تجھ سے ملنے کے لئے رشکِ قمر
مجھ کو کرنا ہی پڑے گر ایک طولانی سفر

نظم طباطبائی

زمزمۂ فصلِ بہار

جدھر سے قافلہ گزرا ہو اندر کی سواری کا
وہ نسریں پوش لشکر انجم صبح بہاری کا
سبب تھا لالہ و ریحاں کی جو امیدواری کا
جگایا جس نے جادو فصلِ گل کی لالہ کاری کا
جہاں بلبل کلیجہ توڑ کر فریاد کرتے ہوں
جو قمری کوکتی ہو رقص سب شمشاد کرتے ہوں

اپج سے دل کی از خود ناچتے ہوں مور چلا کر
جو مطلع صاف ہو ٹھنڈی ہوا چلتی ہو اٹھلا کر
نوید تازہ گوشِ گل میں کہہ آتی ہو جا جا کر
نکل جاتی ہو کوسوں دم میں خوشبو اپنی پھیلا کر
اندھیرا کنج گلشن میں جہاں ہو شاخساروں سے
نکل سکتا نہ ہو سایہ درختوں کی قطاروں سے

وہیں مجھ کو بھی مل جائے کوئی گوشہ جو عزلت کا
کوئی پتھر ہو تکیہ اور سبزہ فرش راحت کا
کنارہ نہر کا ہو وقت ہو جوش طبیعت کا
سبق اہل جہاں کے حال پر حاصل ہو عبرت کا
کہ ادنی تو چڑھے جاتے ہیں اب عرش معلے پر
جو ہیں اعلیٰ جھکے پڑتے ہیں وہ تحصیل دُنیا پر

ہر اک دہقاں نے تھک کر ہاتھ کھینچا کام کرنے سے
مویشی لے رہے ہیں دم کہ جان آئے ٹھہرنے سے
نہیں باز آتی زنبور عسل سرگرم کے بھرنے سے
نہیں تھمتی ہوائیں ڈوبنے سے اور ابھرنے سے
پتنگوں نے بھی اترا کر غضب کی شوخیاں کی ہیں
گلے میں کرتیاں رنگیں قبائیں دھوپ چھاں کی ہیں

نگاہِ چشم عبرت میں یہی ہے حال انساں کا
نکالے اس نے پر پرزے تو وہ ہے رینگ کر چلتا
یہ نکلے خاک سے ہیں خاک ہی کی سمت ہے جانا
جو دن ہے زیست کا وہ بال افشانی میں گزریگا
اگر پہنچے نہ پیری تک تو پھر مرگ جوانی ہے
نہ رقص شادمانی ہے نہ ذوق پر فشانی ہے

ذرا سننا انھیں میں سے کوئی ہنس کر یہ کہتا ہے
خبر اپنی تو لے ناصح کہ تو بھی اک پتنگا ہے

اکیلا آیا تو دنیا میں اور اب تک اکیلا ہے
نہ ہو جب شمع محفل میں تو کاشانہ اندھیرا ہے

کہیں ڈھونڈھے نہ اب پائے گا طاؤس جوانی کو
لب بام اب سمجھ لے آفتاب زندگانی کو

اخترؔ عظیم آبادی

محبّت اور آزادی

لذّتِ بوس و کنار اس وقت ہے کچھ دلچسپ کیا
طالب و مطلوب کی جب چاہ کی ہو ابتدا
جب کریں دونوں یہ خواہش بادلِ اندوہگیں
ایسا رشتہ ہو بہم قائم کہ پھر ٹوٹے نہیں

یاد رکھنا وقتِ اظہارِ تمنّائے وصال
باعثِ رحمت ہے عقد اور موجبِ حزن و ملال
غیر کا خندہ گرا سکتا ہے دل پر بجلیاں
وجہہ گریہ ہونگی ثابت حسن کی نیرنگیاں

طبع کا رجحان ٹھہرا عشق کا دار و مدار
اس کے کب پابند قانوں ہیں روانی و قرار
التفات و باوفائی اس کے حق میں زہر ہیں
کچھ ممدِّ پائداری طول، ہجر و قہر ہیں

گُل سے بُو سبزہ سے رقصِ لاابالانہ دور کر
چشمِ دریائے رواں کو خواب سے مخمور کر
ان کی بو و جنبش و حرکت کو پہلے باندھ دے
پھر تو پیمانِ وفائے عشق باقی باندھ لے

عشق اک آتش ہے ایسی جس کو ہر دم چاہئے
تازہ تازہ ہیزمِ حُسن اپنی ہستی کے لئے
جب کہ آزادی پہ ہے حصر آسماں پیمائی کا
مضمحل ہوگا قفس میں بازوئے طیرِ ولا

کس طرح پورا مگس کا ہو گلِ واحد سے شوق؟
کسطرح رنگت بدلنا چھوڑ دے قمری کا طوق؟
عشق کی اور انکی فطرت میں ہے آخر فرق کیا؟
عشق پابندِ سلاسل جب ہوا رُخصت ہوا

عزیز احمد عزیز

رونقِ حیات

ہزار شمعوں سے تاباں ہے رات کا دامن
چراغ رہتا ہے دن کا بس ایک ہی روشن
مگر جو چھپ گیا مغرب میں جا کے مہرِ فلک
نہ دیکھی رونق عالم کی پھر کسی نے جھلک

ہزار باتوں کا مسکن دماغ رہتا ہے
یہ دل بس ایک ہی اُلفت کی بات کہتا ہے
مگر جو آگ محبت کی سرد ہوتی ہے
حیات دل کشی اپنی تمام کھوتی ہے

محمد فضل الرحمٰن

نیا سال

بجاؤ جرس شور پیہم کرو	گھٹاؤں کا چھایا ہے کالا دھواں
نکلتی ہے برفانی موسم میں جاں	چلو مردہ ماضی کا مت غم کرو
نئے سال کا خیر مقدم کرو	بجاؤ جرس شور پیہم کرو
نیا سال ہے آنکھ پُرنم یہ کیوں	رہیں عیش کے شادیانے رہیں
صداقت کے حق کے ترانے رہیں	مہ و سال رفتہ کا ماتم یہ کیوں
نئے سال کا خیر مقدم کرو	بجاؤ جرس شور پیہم کرو
مٹا دو نشانات زخم کہن	فراق عزیزاں کے داغ نہاں
امیری غریبی کا فرق عیاں	سجاؤ مساوات کی انجمن
نئے سال کا خیر مقدم کرو	بجاؤ جرس شور پیہم کرو
نکالو زمیں سے قدامت کے بت	کرو خانہ جنگی کی روداد ختم
تراج اور دیرینہ بیداد ختم	سدا پوجے جائیں شرافت کے بُت
نئے سال کا خیر مقدم کرو	بجاؤ جرس شور پیہم کرو

شاد و غم و درد و غربت کا نام   زمانے کی بے التفاتی کا نقش
مرے نوحۂ بے ثباتی کا نقش   سنا دو نئی شاعری کا پیام
نئے سال کا خیر مقدم کرو   بجاؤ جرس شور پیہم کرو
کریں مل کے سب زندگانی بسر   نہ ہو شان جھوٹی نہ جھوٹا غرور
حسد اور بہتان و تہمت ہو دور   خلوص محبت پہ سب کی نظر
نئے سال کا خیر مقدم کرو   بجاؤ جرس شورِ پیہم کرو
ہو ناپید دُنیا سے ہر اک وبا   نہ ہوں سونے چاندی کے انبار یہ
نہ صدیوں کی خونریز پیکار یہ   رہے صدیوں تک امن کا سلسلہ

نئے سال کا خیر مقدم کرو
بجاؤ جرس شورِ پیہم کرو

دیش اور اپنا گھر

اک سرزمین ہے فخرِ اقالیم و ہر دیار
سارے جہاں میں مجبطِ افضالِ کردگار
واں روشنی مہر سے پڑتی چھنی ہوئی
نورِ قمر سے رات دلہن ہے بنی ہوئی
ہے حسن و خیر و صدق و شجاعت کی وہ زمیں
بوڑھے وہاں کے خضر جواں واں کے مہ جبیں

جو لوگ دور دست ممالک میں جاتے ہیں
کیا خطہ ہائے رشکِ ارم دیکھ آتے ہیں
کانِ طلا و سیم جزائر ہیں سر بسر
گلزار ہیں سواحلِ دریا تمام تر
پر ایسی دیکھتا ہے نہ وہ پُر فضا زمیں
کھاتا ہے خوش گوار نہ ایسی ہوا کہیں

جس ملک میں وہ دیس اُسے یاد آتا ہے
کچھ اپنے دل کے رُخ کو اسی سمت پاتا ہے
باعث یہ ہے کہ اس پہ خدا کا ہے لطف خاص
ہے برگزیدہ قوم سے اک اس کو اختصاص
اور اس میں ایک خطۂ دلکش ہے پر فضا
ٹکڑا بہشت کا اسے کہیئے تو ہے بجا
سب سے زیادہ اس کی فضا دل کو بھاتی ہے
سب سے زیادہ رُوح وہاں چین پاتی ہے

انساں جو کُل جہاں کا ہے حاکم بنا ہوا
سب طنطنہ ہے اپنا یہاں چھوڑ بیٹھتا
چشمِ عطا و لطف ہے مہر و وفاق سے
سب مور رہے ہیں شیر و شکر اتفاق سے
کیا تاب ہے بشر کی جو دم مارے اک ذرا
یاں حکم مادر و زن و خواہر ہے چل رہا
ہر سُو مچی ہے عشرت و شادی کی دھوم دھام
پھُولوں سے بس رہا ہے رہ زندگی تمام
بیوی کے دل میں جوشِ طرب ہے بھرا ہوا
آنکھوں میں مہر و لطف کا گھر ہے بنا ہوا

قدموں سے اسکے منزلِ عشرت ہے کل مقام
سب کام پا رہے ہیں سلیقے سے انصرام

گر بن کے تو زمین کا ہے دُنیا میں پھر چکا
اس خطۂ زمین کا بھی پایا کہیں پتا؟
انسان ہے اور حبِّ وطن کی ہے بو اگر
کر چشمِ دل سے چار طرف اپنے تو نظر
مل جائے گا تعلق خاطر سے سب پتا
وہ سرزمین وطن ہے وہ خطّہ ہے گھر ترا

روآن

الوداع

الوداع تا آمدِ روزِ قیامت الوداع
ذوقِ دیدار الوداع! امکانِ وصلت الوداع
میں نہیں ہوں گو عموماً خوگرِ عفوِ قصور
حشر تک تجھ سے مرا دل ہو نہیں سکتا نفور

تجھ کو میں دکھلا سکوں کاش اپنا پہلو چیر کر
مدتوں سے کر رہا ہے جس پہ تکیہ تیرا سر
اور شباب آلودہ آنکھوں سے رہا تو مستِ خواب
اب وہ نیندیں پھر نہیں آنے کی تا روزِ حساب

کھا کے یہ دل کاش تیرا ایک تیرِ چشمِ ناز
کھولدے سب رازہائے پردہ ہائے سوز و ساز
تاکہ ہو جائے تجھے آخر خیال اس بات کا
دل کا یوں پامال کرنا کوئی فعل اچھا نہ تھا

گرچہ دنیا کو ہو اندازِ ستم تیرا پسند
اور کرے زخمِ جگر پر میرے عالمِ ریشخند
یہ تری تعریف ہو گی طبع کو میری گراں
دیکھ کر اڑتی ہوئی زخموں پہ میرے پھبتیاں

میں نے یہ مانا کہ تھا میں جامۂ نقش و قصور
پھر بھی مجھ کو اپنی اس حالت پہ حیرت ہے ضرور
زخم کاری کیا انھیں ہاتھوں سے کھانا تھا مجھے
میری گردن میں حمائل کل تلک جو ہاتھ تھے؟

دیکھنا اب بھی غلط فہمی نہ ہو جائے کہیں
دل سے ہو دل دفعتاً بے ربط یہ ممکن نہیں
امتدادِ وقت سے لیکن یہ ممکن ہے ضرور
دُور رہتے رہتے ہو جائے محبت دل سے دُور

اب بھی تیرے دل کا معشوقانہ عالم ہے وہی
میرا دل خوں ہو گیا پھر کاوشِ غم ہے وہی
دل کو ہے تکلیف دہ ہر لحظہ لیکن یہ خیال
آج کے بچھڑے ہوئے ہے حشر تک ملنا محال

صدمۂ فرقت کے آگے شدّتِ غم کچھ نہیں
ہیچ یادِ رفتگاں امیّت کا ماتم کچھ نہیں
ہم رہیں گے زندہ پر محروم دیدار حبیب
جیتے ہی ہر صبح سوزِ بیوگی ہوگا نصیب

سن کے جب بچّے کے منہ سے آپ ہوں گی شادماں
میٹھے میٹھے ٹوٹے پھوٹے لفظ تتلاتی زباں
ابّا ابّا کیا سکھائے گی اُسے بعد از سلام
گو بظاہر اُس کو ابّا سے نہ ہوگا کوئی کام

نرم ننھے ہاتھ سے جب وہ کرے گا تجھ کو پیار
اور لبوں کو اُس کو تو چومے گی ہو کر بے قرار
یاد کرنا اک ترقی خواہ انوار جمال
وہ تو تیرے عشق میں ہے دل گرفتہ خستہ حال

ہو اگر ہم شکل اُس نُورِ نظر کا وہ غریب
جس کا دیدار اب نہ ہوگا عمر بھر تجھ کو نصیب
گرچہ دُور از دیدہ ہو کر میں ہوں تیرے دل سے دور
تیرا جذبِ عشقِ صادق ہوگا محرّک ضرور

تو خطاؤں سے مری ممکن ہے واقف ہو مگر
اس جنونِ شوق کی میرے کسی کو کیا خبر
ہے مری امید گاہِ شوق تیری جستجو
تیرے قدموں پہ تصدّق میری جانِ آرزو

مٹ گیا دل ہو گئے جذبات و احساسات خوں
میری خودداری جو تھی مستغنیِ دُنیائے دوں
وہ بھی تیرے آگے اب کرتی ہے خم فرقِ نیاز
تو پھرا کیا پھر گئی خود مجھ سے جانِ چارہ ساز

جو تھا ہونا ہو چکا برباد ہوتی ہے زباں
میری یہ ہرزہ سرائی اور بھی ہے رائگاں
حیف پر تیرے تصوّر پر مجھے قابو نہیں
میں اُسے چاہوں نہ چاہوں ہے ہمیشہ دلنشیں

الوداع! کہتا ہے پھر یہ عاشقِ فرقت نصیب
ان سبھوں سے دردِ دل جن کو سمجھتا تھا حبیب
چاک دل مجبور رہا کامِ بہارِ زندگی
زندہ در گور رہ بایں لیل و نہار زندگی

تلوک چند محروم

صادق دوست کی پہچان

جو شخص فی الحقیقت ہے دوستدار تیرا　　　جب وقت آپڑیگا ہوگا وہ یار تیرا
جب تو اُداس ہوگا آنسو بہائے گا وہ　　　بیخواب تو اگر ہے سونے نہ پائیگا وہ
القصہ تیرے دل پر جو غم کا بار ہوگا　　　حصہ بٹا ہی لے گا جو یارِ غار ہوگا

ایسی نشانیوں سے کر لے تمیز تو اب
یہ یار یارِ صادق، وہ یار یارِ مطلب

سیّد احمد کبیر

خواب

بے سروساماں ہزاروں ہی رعایا ہیں میری
پاؤں پھیلائے ہوئے سوتے ہیں بے غم اس گھڑی
خواب نوشیں! وایۂ مشفق پئے اہل جہاں
ڈر گئی کیوں مجھ سے رہتی ہے جو یوں دامن کشاں
لُطف سے آکر تو ان آنکھوں میں گھر کرتے نہیں
فکرِ دُنیا سے مجھے تو بے خبر کرتی نہیں
کنج ظلمانی ہیں کھُرّے فرش پر اے نازنیں
شورِ پشّہ تجھ کو میٹھی لوریوں سے کم نہیں
یہ خیامِ پُرتکلّف اور یہ خوشبو مکاں
نغمۂ داوّد سے شیریں یہ خوش الحانیاں
ہر طرح سامانِ راحت ہے مہیّا اس جگہ
پر تجھے آتے ہی ہو جاتا ہے سودا اس جگہ

کیوں کمینوں میں گھِنونے فرش پر رہتی ہے تو
بندِ زنداں ہے تجھے پھولوں کی سیج اے مست خو

تاڑ سے مستول پر تنہا کھڑا ہے ناخُدا
تند موجوں کے ہے جھُولے میں جھکولے لے رہا

زور پر آیا ہے طوفاں چل رہی ہیں آندھیاں
ابرِ تنک لہروں کو جو لے جا رہی ہیں موکشاں

موج پر اٹھتی ہیں موجیں مچ رہی ہے دھائیں دھائیں
کان پٹ ہیں۔ یہ بلا کی ہو رہی ہے سائیں سائیں

ہو رہا ہے چار سو ہنگامۂ محشر بپا
موت چونک اٹھتی ہے سنتے ہی یہ شورِ فتنہ زا

ایسے شور و شر میں ملّاحوں کی یہ غم خواریاں
اس قدر کیوں تجھ میں ہیں اے خواب جانبداریاں

یاں شبِ خاموش آسائش کے سامانِ مزید
اور تو کروٹ نہ لے اے وائے بختِ نا سعید

سکھ سے تو اے بے نواسو، اب ہمیں آیا یقیں
تاجِ زر جس پر دھرا ہے چین اُس سر کو نہیں

ضامن کنتوری

وقت

اے وقت تو وہ بحر ہے ناقابلِ عبور
موجوں کا جس کی نام سنین و شہور ہے
آبِ عمیق کو ترے کہتے ہیں حادثات
جو اشکِ چشمِ اہلِ زمانہ سے شور ہے
وہ بحرِ بے کنار ہے تو جس کا مد و جزر
پیمانۂ بقا و فنائے وظہور ہے
لاکھوں کیئے شکار پر اب تک بھرا نہ پیٹ
ہر روز تیرے جوعِ بقر کو وفور ہے
کھا کر انھیں اگلتا ہے ساحل پہ وانکے تو
نا مہماں نواز ہے جو اور دُور ہے
طوفاں میں ہولناک سکونوں میں پُر دغا
غافل جو تجھ سے ہو اُسے خطرہ ضرور ہے

محروم

بقائے محبّت

تارے سدا سفر میں ہیں رہرو کے ساتھ ساتھ
دُنیا کے جس مقام پہ اس کا قیام ہے
آئے گا روئے ماہ نظر خاص خاص وقت
بالائے بام چرخ یہی انتظام ہے
دُنیا کے گرد جائے مسافر جہاں کہیں
سیر و سفر کے واسطے عالم تمام ہے
ہو سطح بحر پر کہ کسی سبزہ زار میں
ہر اک جگہ پہ جلوۂ خورشید عام ہے
اُلفت بھی ہے یونہی دل عاشق کے ساتھ ساتھ
دُنیا کے جس مقام پہ اس کا قیام ہے

دنیا کے جس مقام پہ اس کا قیام ہے
بجھتا ہوا شرارِ کواکب کو پائے گا

آخر نقابِ ابر میں بالائے بامِ چرخ
منہ اپنا شاہدِ مہِ تاباں چھپائے گا

قائم ہے یہ نظامِ طلوع و غروب پر
خورشید بعدِ شام نظر کس کو آئے گا

خورشید ڈوب جائے مگر عشقِ جلوہ زا
کالی اندھیری رات کو بھی دن بنائیگا

عاشق کی رات ہو گی شبِ قدر سے سوا
دن اس کو صبحِ عید کے جلوے دکھائیگا

سیّد احمد کبیر

بہشت بریں

بچّہ

سُنا ہے یہ کہتے تمہیں ہم نے اماں
کوئی اور ہے ملک رشکِ گلستاں

سبھی لوگ ہیں واں کے خوشحال رہتے
نہ غم ہیں اٹھاتے نہ تکلیف سہتے

ہر اک گھر پہ واں کے ہے رونق برستی
کہو اچھی اماں کہاں ہے وہ بستی؟

اُسے ہم بھی ڈھونڈھیں نشاں پائینگے گر ہم
رہیں پھر وہاں تا ابد شاد و خُرّم

وہاں ہے جہاں پر ہیں جُگنو چمکتے
ہیں بن آتشِ گل سے سارے دہکتے؟

نہیں واں نہیں ہے وہ اے جانِ مادر

بھلا پھر جہاں نخلِ خُرما کھڑا ہے
کھجوروں سے دامانِ صحرا بھرا ہے

سمندر میں بے ہیں جہاں سبز ٹاپو
ہوا سارے بن کی مہک سے ہے خوشبو

وہ رف رف ہواؤں کا ہر وقت چلنا
وہ چشمے کے پانی کا ہاتھوں اُچھلنا

درختوں کی ہر سو وہ پیہم قطاریں
وہ شام و سحر ان کی دل کش بہاریں

انوکھی وہ خوش رنگ چڑیاں چہکتیں
ستارہ ہی کلیاں پروں کی چمکتیں

نہیں واں نہیں ہے وہ اے جانِ مادر

پھر اچھا کہیں دُور وہ ملک ہوگا
جہاں بہتے ریگِ طلا پر ہیں دریا

کہیں بہتی اٹھکھیلیوں سے ہیں نہریں
وہ شفّاف پانی پہ کم کم سی لہریں

جواہر کا واں کچھ نہیں ہے ٹھکانا
اسی جا ہے قدرت کا گویا خزانا

وہ یاقوت کی جوت سے بن پہ جوبن
وہ کانوں میں تارے سے ہیروں کے روشن

وہاں کی زمیں موتیوں سے جڑی ہے
وہی ملک ہے کیوں نہ امّاں وہی ہے
نہیں واں نہیں ہے وہ اے جانِ مادر

ماں

نہ آنکھوں نے پھول اس چمن کے چُنے ہیں
نہ کانوں نے واں کے ترانے سُنے ہیں

عجب روح پرور وہاں کی فضا ہے
تصوّر سے کچھ اس کے دل جاگتا ہے

نہ گرمی کی ایذا نہ سردی کی زحمت
وہاں ہے بس انساں کو راحت ہی راحت

تصوّر سے نقشہ کھینچے اس کا کیوں کر
نہ واں غم کا دخل اور نہ مرنے کا کچھ ڈر

بہار اس کی محفوظ جورِ خزاں سے
پرے قبر سے بلکہ دُور آسماں سے

وہ ملکِ بقا واں ہے اے جان مادر

تلوک چند محروم

کیا سے کیا

پٹی پڑی تھی چشمِ حقیقت نگر پہ اور
بے خوف دل مرا تھا فنا کے خیال سے
ایسا ہی تھا طلسم کہ میرا گماں یہ تھا
ہے اُس کا حُسن دُور رفنا سے زوال سے

زیرِ زمیں ہے بے حرکت اب پڑی ہوئی
یارا[1] ہے دید آہ! نہ گفت و شنید ہے
چکر میں ہے زمیں کے ہنڈولے میں رات دن
اک تودہ گل کا رنگ و شجر پر مزید ہے

---

[1] گنجِ معانی میں یوں ہے۔ ع
وہ باز دید ہے نہ وہ گفت شنید ہے

ڈاکٹر اقبال

ماں کا خواب

میں سوئی جو اک شب تو دیکھا یہ خواب
بڑھا اور جس سے مرا اضطراب
یہ دیکھا کہ میں جا رہی ہوں کہیں
اندھیرا ہے اور راہ ملتی نہیں
لرزتا تھا ڈر سے مرا بال بال
قدم کا تھا دہشت سے اٹھنا محال
جو کچھ حوصلہ پا کے آگے بڑھی
تو دیکھا قطار ایک لڑکوں کی تھی
زمرد سی پوشاک پہنے ہوئے
دیئے سب کے ہاتھوں میں جلتے ہوئے
وہ چپ چاپ تھے آگے پیچھے رواں
خدا جانے جانا تھا ان کو کہاں

اسی سوچ میں تھی کہ میرا پسر
مجھے اس جماعت میں آیا نظر
وہ پیچھے تھا اور تیز چلتا نہ تھا
دیا اس کے ہاتھوں میں جلتا نہ تھا
کہا میں نے پہچان کر میری جان
مجھے چھوڑ کر آ گئے تم کہاں؟
جُدائی میں رہتی ہوں میں بے قرار
پروتی ہوں ہر روز اشکوں کے ہار
نہ پروا ہماری ذرا تم نے کی
گئے چھوڑ اچھی وفا تم نے کی
جو بچّے نے دیکھا مِرا پیچ و تاب
دیا اس نے منہ پھیر کر یوں جواب
رُلاتی ہے تجھ کو جُدائی مری
نہیں اس میں کچھ بھی بھلائی مری
یہ کہہ کر وہ کچھ دیر تک چُپ رہا
دیا پھر دکھا کر یہ کہنے لگا
سمجھتی ہے تو ہو گیا کیا اسے؟
ترے آنسوؤں نے بجھایا اسے

سرور جہان آبادی

سال گذشتہ

زمیں پہ برف زمستاں ہے تا بزانو آہ
لبِ نسیم پہ ہیں نالہ ہائے دلجو آہ
کھوا کہ چرچ کا گھنٹہ ذرا سنبھل کے بجے
صدا ہو دھیمی کلیجہ مسل مسل کے بجے
تمام سال گذشتہ ہوا دریغ دریغ
(رفیق مجھ سے ہوا اک جُدا دریغ دریغ)

جہاں سے آہ (میکے باوفا) گزر نہ ابھی
(سرائے ہستی فانی سے) کوچ کر نہ ابھی
ہر ایک حال میں میرا شریکِ حال رہا
(کہ غم گسار مرا تو تمام سال رہا)

پڑا ہے بے حرکت آہ! (جسم زار ترا)
جگر پہ داغ محبت ہے یادگار ترا

نظر نہ آئے گا اب جلوۂ سحر تجھ کو
نہ ہوگی آہ! نئے سال کی خبر تجھ کو

جہاں سے آہ! (میرے باوفا) گذر نہ ابھی
(سرائے ہستی فانی سے) کوچ کر نہ ابھی

پئے ہیں جام مئے انبساط کے تو نے
بسر کئے ہیں بہت دن نشاط کے تو نے

(جہاں کی بزم میں جب تک قیام تھا تیرا)
مئے نشاط سے معمور جام تھا تیرا

ملے گا تجھ سا نہ اب سالِ شادماں مجھ کو
(دکھائے گا نہ تیرا دورِ آسماں مجھ کو)

(چھلک گیا تیرا جامِ سرور واویلا)
رہا نہ وہ تیری آنکھوں میں نور واویلا

اگرچہ کہتے ہیں دشمن ترے بُرا تجھ کو
(دیتا ہوں میں یار باوفا تجھ کو

جہاں سے قصد عدم کا نہ کر دریغ دریغ
اٹھا ابھی سے نہ رختِ سفر دریغ دریغ

کروں میں جی کے مرے غمگسار کیا تنہا
کہ لُطف ہستی ناپائدار کیا تنہا

خوشی ہنسی کے تیرے دن کدھر گئے ہے ہے
وہ خوش گوار مشاغل گذر گئے ہے ہے

قضا سے پہلے نہ پہنچے گا جانشیں تیرا
نصیب ہوگا نہ دیدار واپسیں تیرا

یہ رات تاروں بھری سرد سرد واویلا!
داڑی ہوئی تری رنگت یہ زرد واویلا!

(فلک ہے آہ کیں میں تجھے مٹانے کو)
نئی امنگ لئے سالِ نو ہے آنے کو

ہزار حیف! کہ تو بے کسی کی ہے تصویر
ابھی سے مرغ کے لب پر ہیں نالۂ شبگیر

چراغِ شام میں اگلی سی وہ ضیا نہ رہی
(نظر فریب ستاروں کی وہ ادا نہ رہی)

ٹھہر! ٹھہر! کہ تجھے ہم کنار کرلوں میں
دمِ اخیر ہے جی بھر کے پیار کرلوں میں

ملے جو موت کے بدلے تجھے شفا لاؤں
جو آخری ترا ارشاد ہو بجا لاؤں

وہ تازگی وہ صباحت رہی نہ چہرے پر
کہ وہ گلاب سی رنگت رہی نہ چہرے پر

رہا نہ آہ! مرا غمگسار واویلا!
کہ چل بسا وہ غریب الدّیار واویلا!
کھلی ہے بند کرو چشم خوش ادا کوئی
زمیں کو سونپ بھی دو پیکرِ باوفا کوئی
خروشِ نالۂ بے اختیار رہنے دو
اجل نصیب کو زیرِ مزار رہنے دو
درِ مزار پہ ہے منتظر کھڑا کوئی
زمیں پر ہے نیا آہ نقشِ پا کوئی
نہاں ہے خاک میں اُف! اُف! وہ چاند سا چہرہ
کہ آرہا ہے نظر مجھ کو چاند سا چہرہ

سیّد احمد کبیر

زوالِ عظمت و شان

مجھ کو یاد آتا نہیں اپنی مصیبت پر کبھی
بے قراری میں گرا ہو آنکھ سے آنسو کوئی

راست بازی نے مگر تیری رُلایا زار زار
رو رہا ہوں عورتوں کی طرح ڈاڑھیں مار مار

ضبطِ گریہ کر کے کہتا ہوں ذرا سُن غور سے
ایک دن مٹ جاؤں گا دستِ فلک کے جور سے

خوابِ غفلت میں پڑا ہوں گا میں فرشِ خاک پر
نرم تکیہ کی جگہ اک خشت ہو گی زیرِ سر

وائے حسرت جلا کے دیں گے پھر نہ یاں آنے مجھے
سب بھلا بیٹھیں گے دل سے اپنے بیگانے مجھے

یاد رکھنا ہے یہ وہ لڑکا ہے جس نے تیرے واسطے
کر دیئے ہیں صاف سب جاہ و حشم کے راستے

پاچکا ہے نیّر اقبال بھی اپنا کمال
بجتی تھی اپنے بھی در پہ نوبت جاہ و جلال

اپنی بربادی ہی آباد تجھ کو کردیا
خود بنا ناشاد لیکن شاد تجھ کو کردیا

وجہ بربادی و بربادی پہ کر میری نظر
تو نہ پڑنا کبر و نخوت کی بلا میں بھول کر

جب فرشتوں پر ہوا اس سے عذابِ ایزدی
پھر بشر کو اس سے ہوسکتی ہے کیا چشم بھی

سب سے آخر نفس کو اپنے رکھ لے عالی ہمم
تجھ سے جو نفرت کریں تو ان پہ کر لطف و کرم

کیوں کرے انسان ناجائز وسائل کو پسند
کیا دیانت سے خیانت ہے زیادہ سودمند

حاسدوں کی عیب جوئی بند کرنے کے لئے
خیر و صلح و آشتی سے چاہیئے مطلب رہے

پاک رہ بے باک رہ پھر کچھ کسی کا ڈر نہیں
باندھ لے پلّے ہماری بات یہ اے خوش یقیں

زندگی بھر دھیان رکھ ان تین باتوں کا سدا
راستی بہبودِ ملک اور طاعتِ حکمِ خدا

سر بھی تیرا پھر اگر اس راہ میں کام آئے گا
بے تامل تو شہادت کے مدارج پائے گا

اب مجھے اس فرضِ منصب سے تو کر ہلکا شتاب
فرد حاضر ہے سمجھ لے کوڑی کوڑی کا حساب

ہاں کے جو جو پر ہے قبض و دخل سُلطاں بے سخن
اپنی تو شے ہے خلوصِ باطن و ملبوسِ تن

جیسی تن من تج کے خدمت کی ہے میں نے شاہ کی
اس سے ہوتی آدھی بھی طاعت اگر اللہ کی

اس بڑھاپے میں نہ ہرگز مجھ سے یوں منہ موڑتا
دشمنوں میں اس طرح مجھ کو نہ بے بس چھوڑتا

عزیز احمد عزیز

تمنّا

دامنِ کہسار میں چھوٹی سی ہو اک جھونپڑی
طائروں کے چہچہے ہوں وجد آگیں راگنی
سامنے بہتا ہو چشمہ حُسن قدرت کا ظہور
چاندنی راتوں کی دلکش روشنی ہو شمع طور
چہچہائیں آشیانوں سے جو خوش رو قمریاں
دل میں پیدا ہو جوانی کی نئی جولانیاں
ہو اِدھر جس دم تھکے ماندے مسافر کا گذر
اس کی شرکت سے ہو کیف جام میں دونا اثر
کھل رہے ہوں جھونپڑی کے چار سو گلہائے تر
آبِ شبنم سے جو منہہ دھوتے ہیں ہنگامِ سحر
والہانہ پھر رہی ہو نکہتِ مست شباب
جھومتا جیسے چلے پی کر کوئی جامِ شراب

مری محبوبہ وہاں نغمے الاپے دل گداز
وجد میں آجائے مطرب مضطرب ہو جائے ساز
دُور سے آئے نظر دلکش کلیسا گاؤں کا
رشتۂ اُلفت جہاں مضبوط دونوں نے کیا
بادِ کیف افزا چلے مدہوش اٹھلاتی ہوئی
بسترِ عطرِ گل جنت سے نہلاتی ہوئی

فراقؔ گورکھپوری

ترانۂ خزاں

یک لخت بدلتی ہوئی عالم کا سماں چل
اک آگ لگاتی ہوئی لرزاں و تپاں چل
جاتی ہوئی دُنیائے چمن کی نگراں چل
آتی ہوئی رنگینیوں سے جلوہ فشاں چل

اے بادِ خزاں بادِ خزاں بادِ خزاں چل
اے بادِ خزاں چل

غنچہ کو چمن میں جو چٹکنا ہو چٹک لے
جس رنگ کو گلشن میں چمکنا ہو چمک لے
گر حسن گلستاں کو دمکنا ہو دمک لے
کچھ دن کمر بادِ بہاری بھی لچک لے

اے بادِ خزاں بادِ خزاں بادِ خزاں چل
اے بادِ خزاں چل

بدمستیوں کا دور گزر جائے گزر جائے
برگ وگل وسبزہ کا چڑھا نشہ اتر جائے
یہ بزم چمن سوئے عدم خاک بسر جائے
شیرازۂ گلزار بکھر جائے بکھر جائے

اے بادِ خزاں بادِ خزاں بادِ خزاں چل
اے بادِ خزاں چل

پھولوں کے چراغاں کو بجھا دے تو بجھا دے
آتے ہی گلستاں میں ایک اندھیر مچا دے
ہر باغ کو اک نکہتِ برباد بنا دے
گلنار کا گلزار لٹا دے تو لٹا دے

اے بادِ خزاں بادِ خزاں بادِ خزاں چل
اے بادِ خزاں چل

اربابِ چمن کو کفن خاک اڑھاتی
بالیدگی ہر ذرہ میں آتی ہے چھپاتی
تو مرگ نباتات ہے تو روح بناتی
یا جانِ نمو موجِ فنا بن کے ہے آتی

اے بادِ خزاں بادِ خزاں بادِ خزاں چل
اے بادِ خزاں چل

پھولے ہوئے گلزار کو ویران کیا ہے
طاؤس کو اڑتی ہوئی ناگن نے ڈسا ہے
اک قہر ہے آفت ہے. قیامت ہے بلا ہے
یا باغ میں لہرائی ہوئی برق فنا ہے

اے بادِ خزاں بادِ خزاں بادِ خزاں چل
اے بادِ خزاں چل

سوکھا جو چمن اور ہوئی شان گلستاں
کیا جانیئے کیوں حسن بنا سوختہ ساماں
ہر ذرہ سے اب وسعت صحرا ہے نمایاں
عالم ہے نیا باغ کا یہ منظر ویراں

اے بادِ خزاں بادِ خزاں بادِ خزاں چل
اے بادِ خزاں چل

گو سو طرح سے آباد ہیں آباد وطن بھی
بہلاتے ہیں انساں کو اجڑے ہوئے بن بھی
بے کیف نہیں بے گل و بے برگ چمن بھی
ہے دیکھنے کی چیز یہ عریانی تن بھی

اے بادِ خزاں بادِ خزاں بادِ خزاں چل
اے بادِ خزاں چل

ویرانیوں سے خطۂ گلزار کر آباد
آبادیوں سے عرصۂ گلزار کر آباد
آئے نظر اک عالم ہو، ہر دل ناشاد
یہ کہنے لگے "اب گل و گلزار نہیں یاد

اے بادِ خزاں بادِ خزاں بادِ خزاں چل
اے بادِ خزاں چل

ہر نکہت و ہر رنگ گلستاں کو مٹا دے
ہر تفرقہ ہر طرح کی تخصیص اٹھا دے
گلزار کو ہر قید تعین سے چھڑا دے
اک جلوہ بے کیف گلستاں کو بنا دے

اے بادِ خزاں بادِ خزاں بادِ خزاں چل
اے بادِ خزاں چل

پھولوں کا بھرا جام شہادت کا پلا دے
سرمستی گلزار کو تو کیف فنا دے
"ہے موت حسیں" راز یہ دنیا کو بتا دے
رنگ چمنستان خزاں دیدہ دکھا دے

اے بادِ خزاں بادِ خزاں بادِ خزاں چل
اے بادِ خزاں چل

جاں دادۂ ہستی پریشان چمن تو
تنہا دم تنہائی نگہبان چمن تو
خلوت کدۂ راز میں مہمان چمن تو
خمیازہ کشِ بادۂ عرفانِ چمن تو

اے بادِ خزاں بادِ خزاں بادِ خزاں چل
اے بادِ خزاں چل

تو رہ زنِ سرمایہ و سامانِ گلستاں
تو رہبرِ سرِ منزلِ عرفانِ گلستاں
از سمت عدم سلسلہ جنبانِ گلستاں
جانِ دگر قالب بے جان گلستاں

اے بادِ خزاں بادِ خزاں بادِ خزاں چل
اے بادِ خزاں چل

ویرانِ چمن میں بھی ہے اک شان نزاکت
اک معنویت اس میں ہے، اک شان لطافت
اک رنگ کثافت ہے گل و لالہ کی کثرت
تو آ! کہ گلستاں بنے آئینۂ وحدت

اے بادِ خزاں بادِ خزاں بادِ خزاں چل
اے بادِ خزاں چل

جلوے ہیں سماتے ہوئے ویران فضا میں
ہیں راز بسائے ہوئے سنسان فضا میں
ہر آن نئی ہوتی ہے اک شان فضا میں
اک جان سی پڑ جاتی ہے ہر آن فضا میں

اے بادِ خزاں بادِ خزاں چل
اے بادِ خزاں چل

ہر ذرے میں رکھ دی ہے جو اک آتش پنہاں
بھڑکے گی وہی بن کے گل و لالہ و ریحاں
اے مرگ مفاجات چمن، جانِ گلستاں
ہیں کتنی بہاریں تری شرمندہ احساں

اے بادِ خزاں بادِ خزاں چل
اے بادِ خزاں چل

آتے ہوئے گلزار کا گلزار لٹا دے
جاتے ہوئے گلزار کا گلزار کھلا دے
تو ہستی گلزار عدم کرکے دکھا دے
پھر اس عدم آباد کو گلزار بنا دے

اے بادِ خزاں بادِ خزاں چل
اے بادِ خزاں چل

چل اے بادِ خزاں

چل اے بادِ خزاں آزادگی سے — پر پرواز کھول اپنے خوشی سے
یہ مانا گو ترا چلنا بُرا ہے — جو دم آتا ہے تیرا فتنہ زا ہے

دمن میں سم وہ پر تیرے کہاں ہے
جو ناشکروں کی رگ رگ میں نہاں ہے

تجھے نامہرباں کہدوں ستم ہے — تجھے آزارِ جاں کہدوں ستم ہے
نہیں احساں کوئی تجھ پر مرا ہے — بھلا مجھ سے تجھے کیا واسطہ ہے

جو طوطا چشم ایسے ہو گئے ہیں
نہیں صورت تک اب پہچانتے ہیں

کمر اے چرخ ستم گر برف باری — قسم لے لے کریں گر آہ و زاری
گرا اولوں کے پتھر بے دھڑک تو — مچا کہرام تو عالم میں ہر سو
نہیں گے ضربت سنگ جفا ہم — گلوں سے ترے نا آشنا ہم
مگر اک اور بھی سنگ جفا ہے — کلیجہ جس سے تھر تھر کانپتا ہے

بڑی احساں فراموشی بڑی ہے
چھری بہرِ گلوے مردمی ہے

تم اے امواج دریا ہو جو مضطر — بدلتی دم بدم ہوا پنے تیور
جہازوں کو ڈبوتی جس گھڑی ہو — دلوں پر نیش تم بھی مارتی ہو
مگر اک اور بھی ہے نیش جاں پر — معاذ اللہ بچائے اس سے داور
یہ نیش سرد مہری ہے جہاں کے — ہلاہل پر ہی جان دوستاں ہے

تفو تجھ پر تفو انسان ناداں
بھلا دی جس نے دل سے یاد یاراں

مخزن لاہور، جنوری ۱۹۱۳ء

وحیدالدین سلیمؔ

گوشۂ قناعت

دل مرا اک سلطنت ہے، جس میں ہوں میں حکمراں
روز و شب رہتا ہوں میں، اس سلطنت میں شادماں
جو مسرت دی ہے مجھ کو، میری صبح و شام نے
ہیچ ہیں دُنیا کے سارے لُطف اس کے سامنے
پاس لوگوں کے بہت سی ایسی چیزیں ہیں ضرور
جو مجھے حاصل نہیں، لیکن مرا دل ہے غیور
بے ضرورت آرزوئیں اُن کی کر سکتا نہیں
میں شکنجے میں طمع کے آ کے مر سکتا نہیں
میں ضرورت سے زیادہ کی طلب کرتا نہیں
جام کیوں چھلکے مرا میں اس قدر بھرتا نہیں
دوسروں پر حکمرانی کی نہیں خواہش مجھے
گلّہ کیوں ہو، گلّہ بانی کی نہیں خواہش مجھے

آج جو عشرت میں ہیں، کل ہے انھیں غیرت کا ڈر
آج عزت جن کی ہے، کل ہے انھیں ذلت کا ڈر

رہتے ہیں چوروں سے لرزاں، مال و زر ہے جنکے پاس
خون دل پیتے ہیں وہ، لعل و گہر ہے جن کے پاس

ہے ان اندیشوں سے اور فکروں سے آزادی مجھے
ہے قناعت نے دیا سرمایہ شادی مجھے

کوئی ہو مسرور، تو میں طعن سے ہنستا نہیں
ہو کوئی عشرت میں، تو میں رشک میں پھنستا نہیں

کوئی غم ہو، دل مگر میرا ہے اطمینان میں
تیرتی ہے میری کشتی بے خطر طوفان میں

ہے ضرورت سے زیادہ پاس جن کے مال و زر
رکھتے ہیں اس سے زیادہ کی ہوس شام و سحر

پاس میرے کچھ نہیں اور چاہتا بھی کچھ نہیں
اس ہوس میں دل مرا رہتا نہیں اندوہگیں

ہے بہت کچھ پاس اُن کے پھر بھی رہتے ہیں فقیر
پاس میرے کچھ نہیں، پر ہوں حقیقت میں امیر

وہ ہوس سے مرتے ہیں، جیتا ہوں استغنا سے میں
دین سے بیزار ہیں وہ، ہوں بری دُنیا سے میں

وہ پہاڑی پر چڑھیں، رہتا ہوں میں میدان میں
اُن کو ہے گرنے کا خطرہ، میں ہوں اطمینان میں
حرص کی جو آفتیں ہیں، وہ کہاں سہتا ہوں میں
پس قناعت ہی کے گوشے میں مگن رہتا ہوں میں

اوج گیاوی

قناعت

دل مرا میرے لئے اک سلطنت سے کم نہیں
حکمرانی نفس پہ کرتا ہوں وہ محکوم ہے
زندگی اچھی گذرتی ہے مری کچھ غم نہیں
جانتا ہوں میں کہ دُنیا ہستی موہوم ہے

میں قناعت سے بسر کرتا ہوں اپنی زندگی
اور اسی پر زندگی کا ہے مرے دارو مدار
کی ضرورت سے زیادہ کی نہ خواہش آج تک
میں حکومت کر نہیں سکتا کسی پر زینہار

جب کسی شے کی ضرورت سے ہوا یہ جی نڈھال
قدرت حق سے مہیا اس کا سامان ہوگیا
نفس کی خواہش کو کردیتا ہوں میں یونہی حلال
جس طرح تلوار سے کٹتا ہے دشمن کا گلا

منعموں کو کثرت دولت سے گو راحت ہوئی
زندگانی ان کی کٹتی ہے بہت آرام سے
مجھ کو ان جھگڑوں بکھیڑوں سے بہت نفرت رہی
سابقہ دل کو نہ تھا ان آفات و آلام سے

دوسروں کے میں کبھی نقصان کا طالب نہیں
اور نہ ہے رشک و حسد مجھ کو کسی سے زینہار
ہے سکونِ قلب ایسا میرا ہم دم ہم نشین
عیش سے میں لوٹتا ہوں زندگانی کی بہار

آہ! انسان کو ہوس کر دیتی ہے بالکل خراب
گو کہ ان کے واسطے کچھ بہم ساماں نہیں
جانتے ہیں دولتِ دُنیا کہ ہے مثلِ سراب
رات دن ہے جستجو اس کی بڑے ناداں ہیں

ہے طلسمی کارخانہ عالمِ ایجاد کا
کوئی قانع ہے تو کوئی ہے ہوس کا ہم نشین
تجربہ سے اوج کو یہ مسئلہ ثابت ہوا
بڑھ کے اس صبر و قناعت سے کوئی دولت نہیں

Saaz-e-Maghrib

CONTENTS

Tis the last Rose of Summer

Tis the last rose of summer
    Left blooming alone;
All her lovely companions
    Are faded and gone;

No flower of her kindred,
    No rossbud is nigh,
To reflect hack her blushes,
    To give sigh for sigh

I'll not leave thee, thou lone one,
    To pine on the stem;
Since the lovely are sleeping,
    Go sleep with them.

Thus kindly I scatter
    Thy leaves o'er the bed,
Where thy mates of the garden,
    Lie scentless and dead.

So soon may I follow
    Where friendships decay
And from Love's shining circle
    The gems drop away!

When true hearts lie withered
    And fond ones are flown,
Oh! who would inhabit
    This bleak world alone.

T. MOORE

The Blind Boy

O say what is that thing called light.
Which I must ne'er enjoy;
What are the blessings of the sight,
O tell your poor blind boy!

You talk of wondrous things you see,
You say the sun shines bright;
I feel him warm, but how can he
Or make it dav or night?

My day or night myself I make
Whene'r I sleep or play;
And could I ever keep awake,
With me 'twere always day.

With many sighs, I often hear
You mourn my hapless woe;
But sure with patience I can bear
A loss I ne'ver can know

Then let not what I cannot have
My cheer of mind destroy;
While thus I sing, I am a king
Although a poor blind boy.

C. Cibber

Lord Ullin's Daughter

A Chieftain to the Highlands bound
Cries 'Boatman, do not tarry!
And I'll give thee a silver pound
To row us o'er the ferry!'

'Now who be ye, would cross Lochgyle
This dark and stormy water?'
I'm the chief of Ulva's isle,
And this, Lord Ullin's daughter.

'And fast before her father's men
Three days we've fled together,
For should he find us in the glen,
My blood would stain the heather.

'His horseman hard behind us ride--
Should they our steps discover,
Then who will cheer my bonny bride
When they have slain her lover?'

Out spoke the hardy Highland wight,
'I'll go, my chief, I'm ready :
It is not for your silver bright,
But for your winsome lady :-

'And by my word! the bonny bird
In danger shall not tarry;
So though the waves are raging white
I'll row you O'er the ferry.'

By this the storm grew loud apace,
The water-wraith was shrieking;
And in the scowl of heaven each face
Grew dark as they were speaking.

But still as wilder blew the wind
And as the night grew drearer,
Adown the glen rode armed men,
Their trampling sounded nearer.

'O haste thee, haste! 'the lady crles,
'Though tempests round us gather;
I'll meet the raging of the skies,
But not an angry father.

The boat has left a stormy land,
A stormy sea before her,—
When, oh! too strong for human hand
The tempest gather'd oe'r her.

And still they row'd amidst the roar
Of waters fast prevailing :
Lord Ullin reach'd that fatal shore,—
His wreath was changed to wailing.

For, sore dismay'd, through storm and shade
His child he did discover :-
One lovely hand she stretch'd for aid,
And one was round her lover.

'Come back! come back ! 'he cried in grief
'Across this stormy water :
And I'll forgive your Highland chief,
My daughter ! O my daughter !'

'T was vain : the loud waves lash'd the shore,
Return or aid preventing :
The waters wild went O'er his child,
And he was left lamenting.

T. CAMPBEL

The Graves of a Household

The grew in haunty side by side,
They filled one home with glee
Their graves are severed far and wide,
By mount, and stream, and sea.

The same fond mother bent at night.
O'er each fair sleeping brow;
She had each folded flower in sight—
Where are those dreamers now ?

One 'midst the forests of the west,
By a dark stream is laid—
The Indian knows his place of rest.
Far in the cedar-shade.

The sea, the blue lone sea, hath one—
He lies where pearls lie deep;
He was the loved of all yet none
O'er his low bed may weep.

One sleeps where southern vines are dressed
Above the noble slain;
He wrapt his, colours round his breast,
On a blood-red filed of Spain.

And one-o'er her the myrtle showers,
Its leaves, by soft winds fanned;
She faded, 'midss Italian flowers-
The last of that bright band.

And parted thus they rest, who played
Beneath the same green tree;
Whose voices mingled as they prayed,
Around one parcnt knee!

They that with smiles lit up the hall,
And cheered with song the hearth.
Alas for love! if thon wert all,
And nought beyond, O Earth!

FLICA HEMANS

Casablanca

The boy stood on the burning deck,
Whence all but he had fled:
The flame that lit the battle's wreck
Shone round him O'er the dead.

Yet beautiful and bright he stood.
As born to rule the storm;
A creature of heroic blood,
A proud, though childlike form.

The flames rolledon-he would not go
Without his father's word;
That father, faint in death below,
His voice no longer heard.

He called aloud: 'Say father, say
If yet my task is done ?
He knew not that the chieftain lay
Unconscious of his son.

'Speak, father!' once again he cried,
'If I may yet be gone!'
And but the booming shots replied,
And fast the flames rolled on.

Upon his brow he felt their breath,
And in his waving hair;
And looked from that lone post of death.
In still, yet brave despair.

And shouted but once more aloud,
'my father! must I stay ?'
While o'er him fast, though sail and shroud,
The wreathing fires made way.

They wrapt the ship in splendour wild,
They caught the flag on high,
And streamed above the gallant child,
Like banners in the sky.

There came a burst of thunder sound—
The boy - Oh! where was he ?
Ask of the winds that far around
With fragments strewed the sea !—

With mast, and helm, and pennon fair,
That well had borne their past;
But the noblest thing which prish'd there
Was that young faithful heart.

FELICIA HEMANS

The Nightingale and the Glowworm

A NIGHTINGALE, that all day long
Had cheered the village with his song,
Nor yet at eve his note suspended,
Nor yet when eventide was ended,
Began to feel, as well he might,
The keen demands of appetite;
When, looking eagerly around,
He spied. far off upon the ground,
A something shining in the dark,
And knew the glowworm by his spark,
So, stepping down from hawthorn top
He thought to put him in his crop.
The worm, aware of his intent,
Harangued him thus, right eloquent :-
"Did you admire my lamp," quoth he,
"As much as I your minstrelsy,
You would abhor to do me wrong,
As much as I to spoil your song;
For, twas the selfsame Power divine
Taught you to sing and me to shine;
That you to sing and me to shine;
Might beautify and cheer the night."
The songster heard his short oration,
And, warbling out his approbation

Released him, as my story tells,
And found a supper somewhere else.
Quarrelsome ueighbours hence may learn
Their real interest to discern;
That brother should not war with brother,
And worry and devour each other;
But sing and shine by sweet consent,
Tilll life's fleeting night is spent.

William Wordsworth

Character of a Happy Life

How happy is he born or taught
    That serveth not another's will;
Whose armour is his honest thought,
    And silly truth his honest skill!

Whose passions not his masters are,
    Whose soul is still prepared for death;
Untied unto the world with care
    Of princely love or vulgar breath;

Who hath his life from rumours freed,
    Whose conscience is his strong retreat
Whose state can neithar flattarers feed,
    Nor ruin make accusers great;

Who envieth none whom chance doth raise
    Or vice; who never understood
How deepest Wounds are given with praise;
    Nor rules of state, but rules of good:

Who God doth late and early pray
    More of his grace than gifts to lend;
Who entertains the harmless day
    With a well-chosen book or friend;

This maa is free from servile bands
    Of hope to rise, or fear to fall;
Lord of h:mself, thouah not of lands;
    And having nothing, he hath oll.

Sir H. Wotton

Love of Country

Preaches there a man with soul so dead
Who never to himself hath said,
This is my own, my native land!'
Whose heart hath ne'er within him burned,
As home his footsteps he hath turned
From wandering on a foreign strand?
If such that be, go, mark him well:
For him no minstrel raptures swell,
High though his titles, proud his name,
Boundless his wealth as wish can claim;
Despite those titles, power, and pelf,
The wretch, concentred all in self,
Living shall forfeit fair renown;
And, doubly dying, shall go down
To the vile dust, from whence he sprung,
Unwept, unhonoured, and unsung

SIR WALTER SCOTT

In the month of March

The cock is crowing,
The stream is flowing,
The small birds twitter,
The lake doth glitter.
The green field sleeps in the sun;
The oldest and youngest.
Are at work with the strongest;
The cattle are grazing,
Their heads never raising;
There are forty feeding like one.

Like an army defeated,
The snow hath retreated,
And now doth fare ill
On the top of the bare hill;
The plough-boy is whooping—anon—anon:
There's joy in the mountains;
There's joy in the fountains:
Small clouds are sailing,
Blue sky prevaiiing;
The rain is over and gone.

William Wordsworth

Ode on Solitude

Happy the man whose wish and care
    A few paternal acres bound,
Content to breathe his native air
    In his own ground.

Whose herds with milk, whose fields with bread,
    Whose flocks supply him with attire,
Woose trees in summer yield him shade,
    In winter fire.

Blest, who can unconcern'dly find
    Hours, days, and years slide soft away,
In health of body, peace of mind,
    Quiet day,

Sound sleep by night; study and ease,
    Together mixt; sweet recreation;
And innocence which most doth please,
    With meditation.

Thus let me live, unseen, nnknown,
    Thus unlamented let me die,
Steal from the world, and not a stone
    Tell where I lie.

ALEXANDER POPE

Mercy

The quality of marcy is not strain'd—
It droppeth as the gentle rain from heaven
Upon the place beneath : it is twice bless'd—
It blesseth him that gives, and him that takes !
'Tis mightiest in the mightiest; it becomes
The throned monarch better than his crown;
His sceptre shows the force of temporal power,
The attribnte to awe and majesty,
Wherein doth sit the dread and fear of kings;
But mercy is above this sceptred sway—
It is enthroned in the hearts of kings,
It is an attribute to God Himself;
And earthly power doth then show likest God's
When marcy seasons justice.

SHAKESPEARE.
Merchant of Venice.

Tis the last Rose of Summer

Tis the last rose of summer
Left blooming alone;
All her lovely companions
Are faded and gone;

No flower of her kindred,
No rossbud is nigh,
To reflect hack her blushes,
To give sigh for sigh

I'll not leave thee, thou lone one,
To pine on the stem;
Since the lovely are sleeping,
Go sleep with them.

Thus kindly I scatter
Thy leaves o'er the bed,
Where thy mates of the garden,
Lie scentless and dead,

So soon may I follow
Where friendships decay
And from Love's shining circle
The gems drop away!

When true hearts lie withered
And fond ones are flown,
Oh! who would inhabit
This bleak world alone.

T. Moore

The Blind Boy

O say what is that thing called light.
Which I must ne'er enjoy;
What are the blessings of the sight,
O tell your poor blind boy!

You talk of wondrous things you see,
You say the sun shines bright;
I feel him warm, but how can he
Or make it dav or night?

My day or night myself I make
Whene'r I sleep or play;
And could I ever keep awake,
With me 'twere always day.

With many sighs, I often hear
You mourn my hapless woe;
But sure with patience I can bear
A loss I ne'ver can know

Then let not what I cannot have
My cheer of mind destroy;
While thus I sing, I am a king
Although a poor blind boy.

C. Cibber

Lord Ullin's Daughter

A Chieftain to the Highlands bound
Cries 'Boatman, do not tarry!
And I'll give thee a silver pound
To row us o'er the ferry!'

'Now who be ye, would cross Lochgyle
This dark and stormy water?'
I'm the chief of Ulva's isle,
And this, Lord Ullin's daughter.

'And fast before her father's men
Three days we've fled together,
For should he find us in the glen,
My blood would stain the heather.

'His horseman hard behind us ride—
Should they our steps discover,
Then who will cheer my bonny bride
When they have slain her lover?'

Out spoke the hardy Highland wight,
'I'll go, my chief, I'm ready :
It is not for your silver bright,
But for your winsome lady :-

'And by my word! the bonny bird
In danger shall not tarry;
So though the waves are raging white
I'll row you O'er the ferry.'

By this the storm grew loud apace,
The water-wraith was shrieking;
And in the scowl of heaven each face
Grew dark as they were speaking.

But still as wilder blew the wind
And as the night grew drearer,
Adown the glen rode armed men,
Their trampling sounded nearer.

'O haste thee, haste! 'the lady crles,
'Though tempests round us gather;
I'll meet the raging of the skies,
But not an angry father.

The boat has left a stormy land,
A stormy sea before her,—
When, oh! too strong for human hand
The tempest gather'd oe'r her.

And still they row'd amidst the roar
Of waters fast prevailing :
Lord Ullin reach'd that fatal shore,—
His wreath was changed to wailing.

For, sore dismay'd, through storm and shade
His child he did discover :-
One lovely hand she stretch'd for aid,
And one was round her lover.

'Come back! come back ! 'he cried in grief
'Across this stormy water :
And I'll forgive your Highland chief,
My daughter ! O my daughter !'

'T was vain . the loud waves lash'd the shore,
Return or aid preventing :
The waters wild went O'er his child,
And he was left lamenting.

T. CAMPBEL

The Graves of a Household

The grew in haunty side by side,
They filled one home with glee
Their graves are severed far and wide,
By mount, and stream, and sea.

The same fond mother bent at night.
O'er each fair sleeping brow;
She had each folded flower in sight—
Where are those dreamers now ?

One 'midst the forests of the west,
By a dark stream is laid—
The Indian knows his place of rest.
Far in the cedar-shade.

The sea, the blue lone sea, hath one—
He lies where pearls lie deep;
He was the loved of all yet none
O'er his low bed may weep.

One sleeps where southern vines are dressed
Above the noble slain;
He wrapt his, colours round his breast,
On a blood-red filed of Spain.

And one-o'er her the myrtle showers,
Its leaves, by soft winds fanned;
She faded, 'midss Italian flowers–
The last of that bright band.

And parted thus they rest, who played
Beneath the same green tree;
Whose voices mingled as they prayed,
Around one parent knee!

They that with smiles lit up the hall,
And cheered with song the hearth.
Alas for love! if thon wert all,
And nought beyond, O Earth!

FLICA HEMANS

Casablanca

The boy stood on the burning deck,
Whence all but he had fled:
The flame that lit the battle's wreck
Shone round him O'er the dead.

Yet beautiful and bright he stood.
As born to rule the storm;
A creature of heroic blood,
A proud, though childlike form.

The flames rolledon-he would not go
Without his father's word;
That father, faint in death below,
His voice no longer heard.

He called aloud: 'Say father, say
If yet my task is done ?
He knew not that the chieftain lay
Unconscious of his son.

'Speak, father!' once again he cried,
'If I may yet be gone!'
And but the booming shots replied,
And fast the flames rolled on.

Upon his brow he felt their breath,
And in his waving hair;
And looked from that lone post of death.
In still, yet brave despair.

And shouted but once more aloud,
'my father! must I stay ?'
While o'er him fast, though sail and shroud,
The wreathing fires made way.

They wrapt the ship in splendour wild,
They caught the flag on high,
And streamed above the gallant child,
Like banners in the sky.

There came a burst of thunder sound—
The boy - Oh! where was he ?
Ask of the winds that far around
With fragments strewed the sea !—

With mast, and helm, and pennon fair,
That well had borne their past;
But the noblest thing which prish'd there
Was that young faithful heart.

Felicia Hemans

The Nightingale and the Glowworm

A NIGHTINGALE, that all day long
    Had cheered the village with his song,
Nor yet at eve his note suspended,
    Nor yet when eventide was ended,
Began to feel, as well he might,
    The keen demands of appetite;
When, looking eagerly around,
    He spied, far off upon the ground,
A something shining in the dark,
    And knew the glowworm by his spark.
So, stepping down from hawthorn top
    He thought to put him in his crop.
The worm, aware of his intent,
    Harangued him thus, right eloquent :-
"Did you admire my lamp," quoth he,
    "As much as I your minstrelsy,
You would abhor to do me wrong,
    As much as I to spoil your song;
For, twas the selfsame Power divine
    Taught you to sing and me to shine;
That you to sing and me to shine;
    Might beautify and cheer the night."
The songster heard his short oration,
    And, warbling out his approbation

Released him, as my story tells,
And found a supper somewhere else.
Quarrelsome ueighbours hence may learn
Their real interest to discern;
That brother should not war with brother,
And worry and devour each other;
But sing and shine by sweet consent,
Tilll life's fleeting night is spent.

WILLIAM WORDSWORTH

Character of a Happy Life

How happy is he born or taught
    That serveth not another's will;
Whose armour is his honest thought,
    And silly truth his honest skill!

Whose passions not his masters are,
    Whose soul is still prepared for death;
Untied unto the world with care
    Of prin:ely love or vulgar breath;

Who hath his life from rumours freed,
    Whose conscience is his strong retreat
Whose state can neithar flattarers feed,
    Nor ruin make accusers great;

Who envieth none whom chance doth raise
    Or vice; who never understood
How deepest Wounds are given with praise;
    Nor rules of state, but rules of good:

Who God doth late and early pray
    More of his grace than gifts to lend;
Who entertains the harmless day
    With a well-chosen book or friend;

This maa is free from servile bands
    Of hope to rise, or fear to fall;
Lord of h:mself, thouah not of lands;
    And having nothing, he hath oll.

Sir H. Wotton

Love of Country

Preaches there a man with soui so dead
Who never to himself hath said,
This is my own, my native land!'
Whose heart hath ne'er within him burned,
As home his footsteps he hath turned
From wandering on a foreign strand?
If such that be, go, mark him well:
For him no minstrel raptures swell,
High though his titles, proud his name,
Boundless his wealth as wish can claim;
Despite those titles, power, and pelf,
The wretch, concentred all in self,
Living shall forfeit fair renown;
And, doubly dying, shall go down
To the vile dust, from whence he sprung,
Unwept, unhonoured, and unsung

SIR WALTER SCOTT

In the month of March

The cock is crowing,
The stream is flowing,
The small birds twitter,
The lake doth glitter.
The green field sleeps in the sun;
The oldest and youngest.
Are at work with the strongest;
The cattle are grazing,
Their heads never raising;
There are forty feeding like one.

Like an army defeated,
The snow hath retreated,
And now doth fare ill
On the top of the bare hill;
The plough-boy is whooping—anon—anon:
There's joy in the mountains;
There's joy in the fountains:
Small clouds are sailing,
Blue sky prevaiiing;
The rain is over and gone.

WILLIAM WORDSWORTH

Ode on Solitude

Happy the man whose wish and care
    A few paternal acres bound,
Content to breathe his native air
    In his own ground.

Whose herds with milk, whose fields with bread,
    Whose flocks supply him with attire,
Woose trees in summer yield him shade,
    In winter fire.

Blest, who can unconcern'dly find
    Hours, days, and years slide soft away,
In health of body, peace of mind,
    Quiet day,

Sound sleep by night; study and ease,
    Together mixt; sweet recreation;
And innocence which most doth please,
    With meditation.

Thus let me live, unseen, nnknown,
    Thus unlamented let me die,
Steal from the world, and not a stone
    Tell where I lie.

ALEXANDER POPE

Mercy

The quality of marcy is not strain'd—
It droppeth as the gentle rain from heaven
Upon the place beneath : it is twice bless'd—
It blesseth him that gives, and him that takes !
'Tis mightiest in the mightiest; it becomes
The throned monarch better than his crown;
His sceptre shows the force of temporal power,
The attribnte to awe and majesty,
Wherein doth sit the dread and fear of kings;
But mercy is above this sceptred sway—
It is enthroned in the hearts of kings,
It is an attribute to God Himself;
And earthly power doth then show likest God's
When marcy seasons justice.

SHAKESPEARE.
Merchant of Venice.

To The Skylark

Ethereal minstre ! pilgrim of the sky !
  Dost thou despise tne earth where cares abound?
Or, while the wings aspire' are heart and eye
  Both with thy nest upon the dewy ground?
Thy nest which thou canst drop into at will,
Those quivering wings composed, that music still;

To the last point of vision, and beyond,
  Mount, daring warbler!— that love-prompted strain
("Twixt thee and thine a never-failing bond),
  Thrills not the less the bosom of the plain:
Yet might'st thou seem, proud privilege! to sing
All independent of the leafy spring.

Leave to the nightingale her shady wood;
  A privacy of glorious light is thine,
Whence thou dost pour upon the world a flood
  Of harmony, with instinct more divine;
Type of the wise, who soar, but never roam—
True to the kindred points of Heaven and Home !

W. WORDSWORTH.

Love's Philosophy

I he fountains mingle with the river
And the rivers with the ocean,
The winds of heaven mix for ever
With a sweet emotion;
Nothing in the world is single'
All things by a law divine
In one another's being mingle—
Why not I with thine?

See the mountains kiss high heaven
And the waves clasp one another;
No sister-flower would be forgiven
If it disdain'd its brother:
And the sunlight clasps the earth,
And the moonbeams kiss the sea—
What are all these kissings worth,
If thou kiss not me?

P. B. SHELLEY.

The Hour of Death

Leaves have their time to fall,
  And flowers to wither at the north wind's breath;
And stars to set—but all,
  Though hast all seasons for thine own, O Death!

Day is for mortal care,
  Eve for glad meetings round th joyous hearth,
Night for the dreams of sleep, the voice of prayer;
  But all for thee, thou mightiest of the earth!

We know when moons shall wane
  When summer birds from far shall cross the sea,
When autumn's hue shall tinge the golden grain!
  But who shall teach us when to look for thee?

Is it when spring's first gale
  Comes forth to whisper where the violets lie?
Is it when roses in our paths grow pale?
  They have one season–all are ours to die!

Thou art where billows foam;
  Thou art where music melts the air;
Thou art around us in our peaceful home;
  And the world calls us forth-and thou art there!

Thou art where friend meets friend,
  Beneath the shadow of the elm to rest;
Thou art where foe meets foe, ann trumpets rend
  The skies, and swords beat down the princely crest!

Mrs. Hemans

The Soldier's Dream

Our bugles sang truce, for the night-cloud had lowered,
And the sentinel stars set their watch in the sky;
And thousands had sunk on the ground overpowered,
The weary to sleep, and the wounded to die.

When reposing that night on my pallet of straw,
By the wolf-scaring faggot that guarded the slain,
An the dead of the night a sweet vision I saw
And thrice ere the morning I dreamt it again.

Methought from the battlefield's dreadful array
Far. far. I had roamed on a desolate track:
'Twas Autumn, — and sunshine arose on the way
'To the home of my father, that welcomed me back.

I flew to the pleasant fields traversed so oft
In life's morning march, when my bosom was yonng;
I heard my one mountain goats bleating aloft,
And knew the sweet strain that the corn-reapers sung.

Then pledged was the win-cup, and fondly I swore
From my home and my weeping friends never to part;
My little ones kissed me a thousand times o'er,
And my wife sobbed aloud in her fulness of heart.

"Stay— stay with us! —rest! thou art weary and worn!"
And fain was their war-broken soldier to stay;-
But sorrow returned with the dawning of morn,
And the voice in my dreaming ear melted away.

T. Campbell.

If Thou Must Love Me

If thou must love me, let it be for nought
Except for love's sake only. Do not say
'I love her for her smile...her look...her way
Of speaking gently......for a trick of thought
That falls in well with mine, and certes brought,
A sense of pleasant ease on such a day'—
For these things in themselves, Belove'd, may
Be changed, or change for thee,—ad love so wrought,

May be unwrought so, Neither love me for
Thine own dear pily's wiping my cheeks dry
Since one might well forget to weep who love
Thy comfort long, and lose thy love thersly
But love me for Love's sake, that evermore
Thou may‹st love on through love's sternity.

C. B. BROWNING

The Light of other Days

Oft in the stilly night
Ere slumber's chain has bound me.
Foul Memory brings the light,
Of other days around me:
The smiles, the lears
Of boyhood's years,
The words of love then spoken;
The eyes that shone,
Now dimm'd and gone,
The cheerful hearts now broken!
Thus in the stilly night
Ere slumber's chain has bound me.
Sad Memory brings the light
Of outer days around me.
When I remember all
The friends so link'd together
I've seen around me fall
Like leaves in wintry weather,
I feel like one
Who treads alone
Souce bouqet-half deserted,
Whose lights are fled,
Whose garlands dead,
And all but he departed !
Thus in the stilly night
Ere slumber's chain has bound me,
Sad Memory brings the light
Of other days around me,

T. MOORE

Stanzas written in Dejection near Naples

The sun is warm, the sky is clear,
The waves are dancing fast and bright,
Blue isles and snowy mountains wear
The purple noon's transparent might :
The breath of the moist earth is light
Around its unexpanded buds;
Like many a voice of one delight—
The winds, the birds, the ocean-floods—
The City's voice itself is soft liks Solitude's.

I see the Deep'. untrampled floor
With green and purple seaweeds strown;
I see the waves upon the shore,
Like light dissolved in star-showers, thrown :
I sit upon the sands alone;
The lightning of the noontide ocean
Is flashing round me. and a tone
Arises from its measured motion—
How sweet ' did any heartnow share in my emotion,

Alas! I have nor hope nor health.
Nor peace within nor calm around,
Nor that content, surpassing wealth.
The sage in meditation found,
And walked with inward glory crowned—
Nor fame, nor Power, nor love, nor leisure;
Others I see whom these surround—
Smiling they live, and call life pleasure;
To me that cup has been dealt in another measure.

Yet now despair itself is mild
Even as the winds and waters are;
I couid lie down like a tired child,
And weep away the life of care
Which I have borne, and yet must bear,
Till death like sleep might steal on me,
And I might feel in the warm air
My cheek grow cold. and hear the sea
Sreathe O'er my dying brain its last monotony.

P. B. SHELLEY

To The Cuckoo

Hail, beauteous stranger of the grove :
Thou messenger of Spring !
Now Heaven repairs thy rural seat,
And woods thy welcome sing.

Soon as the daisy decks the green,
Thy certain voice we hear.
Hast thou a star to guide thy path,
Or mark the rolling year?

Delightful visitant ! with thee
I hail the time of flowers,
And hear the sound of music sweet
From birds among the bowers.

The school-boy, wandering through the wood
To pull the primrose gay,
Starts, thy curious voice to hear,
And imitates thy lay.

What time the pea puts on the bloom ,
Thou fliest thy vocal vale,
An annual guest in other lands,
Another Spring to hail.

Sweet bird ! thy bower is ever green,
Thy sky is ever clear,
Thou hast no sorrow in thy song.
No winter in the year !

Oh. could I fly. I'd fly with thee !
We'd make, with Joyful wing.
Our annual visit o'er the globe,
Companions of the Spring.

JOHN LOGAN.

Lucy Gray

Oft I had heard of Lucy Gray:
And when I cross'd the wild,
I chanced to see at break of day
The solitary child.

No mate, no comrade Lucy knew:
She dwelt on a wide moor,
-The sweetest thing that ever grew
Beside a human door!

You yet may spy the fawn at play,
The hare upon the green;
But the sweet face of Lucy Gray
Will never more be seen.

'To-night will be a stormy night-
You to the town must go;
And take a lantern, child, to light
Your mother through the snow.

'That, Father! will I gladly do;
'Tis scarcely aftenoon -
The minster-clock has just struck two,
And yonder is the moon!

At this the father raised his hook,
And snap'sd a faggot-band;
He plied his work-and Lucy took
The lantern in her hand.

Not blither is the mountain roe:
With many a wantɔn stroke
Her feet disperse the powdery snow,
That rises up like smoke.

The storm come on before its time
She wander'd up and down;
And many a hill did Lucy climb
But never reach'd the town.

The wretched parents all that nlght
Went shouting far and wide;
But there was ncither sound nor sight
To serve them for a guide.

At daybreak on a hill they stood
That over look'd the moor;
And thence they saw the bridge of wood
A furlong from their door.

They wept–and, tnrning homeward cried
'Inheaven we all shall meet!'
–When in the snow the mother spied
The print of Lucy's feet.

Then downwards from the steep hills edge
    They track'd the footmarks small;
And through the broken hawthorn hedge,
    And by the long stone-wall:

And then an open field they cross'd:
    The marks were still the same;
They track'd them on, nor ever lost;
    And to the bridge they came:

They follow'd o from the snowy bank
    Those footmarks, one by one,
Into the middle of the plank;
    And further there were none!

-Yet some maintain that to this day
    She is a living child;
That you may see sweet Lucy Gray
    Upon the lonesome wild.

O'er rough and smooth she trips along,
    And never looks behind;
And sings a solitary song
    That whistles in the wind.

W. Wordsworth

The Seven Ages of Man

All the world's a stage,

And all the men and women merely players:
They have their exits and entrances ;
And one man in his time plays many parts,
His acts being seven ages. At first the infant,
Mewling and puking in the nurse's arms.
And then the whining school-boy, with his satchel
And shining morning face, creeping like snail
Unwillingly to school. And then the lover;
Sighing like furnace, with a woefui ballad
Made to his mistress' eyebow. Then a solider,
Full of strange oaths and bearded like the pard,
Jealous in honour, sudden and quick in quarrel,
Seeking the bubble, reputation
Even in cannon's mouth. And then the justice!
In fair round belly with good capon lined,
With eyes severe and beard of formal cut,
Full wise saws and modern instances;
And so he plays his part. The sixth age shifts.
Into the lean and slippered pantaloon
With spectacles on nose and pouch on side,
His youthful hose, well saved, a world too wide
For his shrunk shank; and his big manly voice,
Turniug again towards childish treble, pipes

And whistles in his sound. Last scene of all,
That ends this strange eventful history,
Is second childishness and mere oblivion,
Sans teeth, sans eyes, sans taste, sans everything.

(From 'As You Like It')
Act II, Scene VII

SHAKESPEARE

Speak Gently

Speak gently ; it is better far
    To rule by love than fear,
Speak gently; let no harsh word mar
    The good we may do here.

Speak gently to the little child;
    Its love be sure to gain;
Teach it in accents soft and mild.
    It may not long remain.

Speak gently to the aged one;
    Grieve not the care-worn heart,
Whose sands of life are nearly run:
    Let such in peace depart.

Speak gently. tis a little thing
    Dropped in the heart's deep well;
The good, the joy that it may bring
    Eternity shall tell.

ANON

Requiescat
(Let Her Rest)

Strew on her: roses; roses
And never a spray of yew!
In quiet she reposes;
Ah, Would that I did too!

Her birth the world required!
She bathed in smiles of glee,
But her heart was tired, tired,
And they let her be.

Her life was turning, turning
In mazes of heat and sound;
But for peace her soul was yearning,
And now peace laps her bound.

Her cabin'd ample spirit,
If bluttered and failed for breath,
To-nigh it doth inherit
The vasty hall of death.

MATHEEW ARNOLD

Love

At the mid hour of night, when stars are weeping, I fly
To the love vale we loved, when life shone warm in thine eye;
And I think oft, if spirits can steal from the regions of air
To revisit past scenes of delight, thou will come to me there
And tell me our love is remember'd, even in the sky!
Then I sing the wild song it once was rapture to hear
When our voices, commingling, breathed like one on the ear;
And as Echo far off through the vale my sad orison rolls,
I think, oh my Love! 'tis thy voice, from the Kingdom of souls
Faintly answering still the notes that once were so dear.

T. Moore

Day-light and Moon-light

In broad day-light and at noon,
Yesterday I saw the moon
Sailing high, but faint and white,
As a school-boy's paper kite.

In broad-light, yesterday,
I read a post's mystic lay;
And it seemed to me at most
As a phantom or a ghost.

But at length the feverish day
Like a passion died away
And the night, serene and still,
Fell on village, vale and hill.

Then the moon in all her pride,
Like a spirit glorified,
Filled and overflowed the night
With revelations of her light.

And the poet's song again
Passed like music through my brain;
Night interpreted to me
All its grace and mystery.

H. W. LONGFELLOW

The Scholar

My days among the Dead are past;
    Around me I behold,
Where'es these casual eyes are cast,
    The mighty minds or old:
My never-failing friends are they,
With whom I converse day by day.

With them I take delight in weal
    And seek relief in woe:
And while I understand and feel
    How much to them I owe,
My cheeks have often been bedew'd
With tears of thoughtful gratitude.

My thoughts are with the Dead; with them
    I live in long-past years,
Their virtues love, their faults condemn,
    Partake their hopes and fears,
And from their lessons seek and find
    Instruction with an humble mind.

Mh hopes are with the Dead; anon
    My place with them will be,
And I with them shall travel on
    Tbrough all Futrity;
Yet leaving here a name, I trust,
That will not perish in the dust.

R. Southey

King Bruce and The Spider

King Bruce of Scotland flung himself down
  In a lonely mood to think:
'Tis true he was monarch and wore a crown
But his heart was beginning to sink.

For he had been trying to do a great deed,
  To make his people glad;
He had tried and tried, but couldn't succeed,
  And so he became guite sad.

He flung himself down in low despair,
  As grieved as man could be;
And after a while he pondered there,-
  'I'll give it all up,' said he.

Now just at the moment a spider dropped,
  With its silken filmy clew;
And the king in the midst of hls thinking stopped,
  To see what the spider would do.

'Twas a long way up to the crawl
  And it hung by a rope so fine,
That how it would get to its cobweb home
  King Bruce could not divine.

It soon began to cling and crawl
  Straight up with strong endeavour;
But down it came with a slipping sprawl·
  As near to the ground as ever.

Up. up it ran, nor a second did stay,
To utter the least complaint,
Till it fell still lower; and there it lay
A little dizzy and faint.

Its head grew steady–again it went
And travelled a half yard higher;
'Twas a delicate thread it had to tread,
and a road where its feet would tire.

Again it fell, and swung below
But up it quickly mounted,
Till up and down, now fast, now slow,
Nine brave attempts were counted,

'Sure,' said the King, 'that foolish thing
Will strive no more to climb,
When it toils so hard to reach and cling,
And tumbles every time.

But up the insect went once more;
Ah me! 'tis an anxious minute;
He's only a foot from his cobweb door;
Oh. say, will he lose or win it?

Steadily, steadily inch by inch,
Higher and higher he got,
And a bold little run at the very last pinch
Put him into his native cot·

'Bravo! bravo!' the king cried out:
'All honour to those who try;
The spider up there defied despair:
He conquered. and why should not I?

And Bruce of Scotland braced his mind,
And gossips tell the tale
That he tried once more as he tried before,
And that time he did not fail.

Pay goodly heed, all ye who read,
And beware of saying, 'I can 't';
'Tis a cowardly word, and apt to lead
To idleness, folly and want.

Whenver you find your heart despair
Of doing some goodly thing.
Con over this strain, try bravely again.
And remember the Spider and King.

ELIZA COOK

Life I Know Not What Thou Art

Life, I know not what thou art,
But know that thou and I must part;
And when, or how, or where we not
I own to me's a secret yet.
Life, we've been long together,
Through pleasant and through cloudy weather;
Tis hard to part when friends are dear–
Perhaps 'twill cost a sigh, a tear;
Then steal away, give little warning,
Choose thine own time;
Say not good-night, but in some brighter clime
Bid me good-morning.

MRS. BARBAULD

The Mountain And The Squirrel

The mountain and the squirrel
Had a quarrel,
And the former called the latter 'Little prig;'
Bun replied,

You are doubtless very big;
But all sorts of things and weather
Must be taken in together
To make up a year,

And a sphere.
And I think it no disgrace
To occupy my place.
If I'm not so large as you,

You are not so small as I,
And not half so spray :
I'll not deny you make

A very pretty squirrel track
Talents differ; all is well and wisely put;
If I cannot carry forests on my back,
Neither can you crack a nut,"

The Burial Of Sir John Moore

Not a drum was heard, not a funeral note,
As his corpse to the rampart we hurried;
Not a soldier discharged his farewell shot
O'er the grave where our hero we buried.

We buried him darkly at dead of night,
The sod with our bayonets turning,
By the struggling moonbeam's misty light,
And the lantern dimly burning.

No useless coffin enclosed his breast,
Not in sheet nor in shroud we wound him;
But he lay like a warrior taking his rest,
With his martial cloak around him.

Few and short were prayers we said,
And we spoke not a word of sorrow,
But we steadfastly gazed on the face of the dead,
And we bittlerly thought of the morrow.

We thought, as we hollowed the narrow bed,
And smoothed down his lonely pillow,
That the foe and the stranger would tread o'er his dead,
And we far away on the billow;

Lightly they'll talk of the spirit that's gone,
And o'er his cold ashes upbraid him;
But little he'll reck if they'll let him sleep on,
In the grave where a Briton has laid him.

But half of our heavy task was done,
When the clock struck the hour for retiring,
And we heard the distant and random gun
That the foe was sullenly firing.

Slowly and sadly we laid him down
From the field of his fame fresh and gory;
We carved not a line, and we raised not a Stone,
But we left him alone with his glory.

CHARLES WOLFE,

When I Am Dead

When I am dead, my dearest,
Sing no sad songs for me;
Plant thou no roses at my head,
Nor shady cypress tres:
Be the green above me
With showers and dewdrops wet;
And if thou wilt, remember,
And if thou wilt, forget.

I shall not see the shadows,
I shall not feel the rain:
I shall not hear the nightingale
Sing on, as if in pain:
And dreaming through the twilight
That doth not rise nor set,
Haply I may remember,
And haply may forget.

C. G. Rosetti

Rosabelle

O listen, listen, ladies gay!
No haughty feat of arms I tell;
Soft is the note, and sad the lay
That mourns the lovely Rosabelle.

Moor, moor the barge, ye gallant crew!
And, gentle ladye, deign to stay!
Rest thee in Castle Ravenshauch,
Nor tempt the stormy firth to-day.

'The blackening wave is edged with white;
To inch and rock the sea-mews fly;
The fishers have heard the Water-Sprits,
Whose screams forebode that wreck is nigh.

'Last night the gifted Seer did view
A wet shroud swathed round ladye gay,
Then stay thee, Fair in Ravensheuch;
Why cross the gloomy firth today?'

',Tis not because Lord Lindesay's heir
To-night at Roslin leads the ball,
But that my ladye-mother there
Sits lonely in her castle-hall.

',Tis not because the ring they ride,
To-night at Roslin leads the ball,
But that my sire the wine will chide
If' tis not fill'd by Rosabelle.'

—O'er Roslin all that dreary night
A wondrous blaze was seen to gleam;
'Twas broader than the watch-fire's lighti
And redder than the bright moonbeam.

It glared on Roslin's castled rock,
It ruddied all the copse-wood glen;
'Twas seen from Dryden's groves of oak,
And seen from cavern'd Hawthornden.

Seem'd all on fire that chapel proud,
Where Roslin's chiefs unconfin'd lie,
Each Saron, for a sable shroud,
Sheath'd in his iron panoply.

Seem'd all on fire with, around,
Deep sacristy and altar's pale;
Shone every pillar foliage-bound,
And glimmer'd all the dead men's mail.

Blazed battlement and pinnet high,
Blazed every rose-carved buttress fair—
So still they blaze, when late is nigh
The lordly line of high St. Clair.

There are twenty of Roslin's barons bold
Lie buried within that proud chapelle:
Each one the holy vault doth hold,
But the sea holds lovely Rosabelle!

And each St. Clair was buried there
With candle, with book, and with knell;
But the sea-caves rung' and the wild winds sung
The dirge of lovely Rosabelle.

SIR W. SCOTT.

Fairie's Song

Over hill, over dale,
Thorough bush, thorough brier,
Over park, over pale,
Thorough flood, thorough fire,
I do wander everywhere,
Swifter than the moon's sphere;
And I servc the fairy queen'
To dew her orbt upon the green!
The Cowslips tall her pensioners be;
In their gold coats spots you see;
Those be rubies, fairy favours,
In those freckles live their savours.

SHAKESPEARE,
'A Midsummer Night's Dream,
Act II' Scene I.'

Flower Chorus

OH, such a commotion under the ground,
When March called "Ho, there! ho!"
Such spreadling of rootlets far and wide,
Such whisperings to and fro!
,,Are you ready?" The Snowdrop asked,
"Tis is time to start, you kow."
"Almost my dear!" the Scilla replied,
"I'll follow as soon as you go."
Then 'Ha! ha! ha!' a chorus came
Of laughter sweet and low
From millions of flowers under the ground.
Yes, millions be inning to grow.

"I'll promise my blossoms," the Crocus said,
"When I hear the blackbird sing."
And straight thereafter Narcissus cried,
"My silver and gole I,ll bring."
"And ere they are dulled, "another spoke,
"The Hyacinth beels shall ring,"
But the Violet only murmured''I'm here,,'
And sweet grew the air of spring
Then "Ha! ha! ha!" a chorus came
Of laughter sweet and low,
From millions of flowers under the ground
Yes, millions beginning to grow.

Oh, the pretty brave things, thro' the coldest days
    Imprisoned in walls of brown,
They never lost heart tho' the blast shrieked loud,
    And the sleet and the hail came down;
But patiently each wrought her wonderful dress
    Or fashioned her beautifnl crown,
And now they are coming to lighten the world
    Still shadowed by winter's frown,
And well may they cheerily laugh Ha! ha!
    In laugnter sweet and low,
The millions of flowers under the ground
    Yes, millions beginning to grow.

R. W. EMERSON

Lines to an Indian Air

I arise from dreams of thee
In the first sweet sleep of night,
When the winds are breathing low
And the stars are shining bright:
I arise from dreams of thee,
And a spirit in my feet
Hath led me—who knows how?
To thy chamber-window, sweet!

The wandering airs they faint
On the dark, the silent stream—
The champak odours fail
Like sweet thoughts in a dream;
The nightingale's complaint
It dies upon her heart,
As I must die on tnine
O belove'd as thou art!

Oh lift me from the grass!
I die, I faint, I fail!
Let thy love in kisses rain
On my lips and eyelids pale.
My cheek is cold and whits, alas!
My heart beats loud and fast;
Oh! press it close to thine again
Where it will break at last.

P. B. Shelley

I Fear Thy Kisses

I fear thy kisses, gentle maideni
    Thou needest not fear mine;
My spirit is too deeply laden
    Ever to burthen thine.

I fear thy mien, thy tones, thy motion;
    Thou needest not fear mine:
Innocent is the heart's devotion
    With which I worship thine.

P. B. SHELLEY.

The Power of Music

Look how the floor of heaven
Is thick inlaid with patins of bright gold;
There's not the smallest orb which thou behold'st
But in his motion like an angle sings,
Still quiring to the young-eyed cherubins;
Such harmony is in immortal souls;
But whilst this muddy vesture of decay
Both grossly close it in, we cannot hear it.

W. SHAKESPEARE
'Merchant of Venice Act V,, Scence I'

After Blenheim

It was a summer evening,
Old Kaspar's work was done,
And he before his cottage door
Was sitting in the sun;
And by him sported on the green
His little grandchild Wilhelmine.

She saw her brother Peterkin
Roll something large and round
Which he beside the rivulet
In playing there had found;
He came to ask what he had found
That was so large and smooth and round

Old Kaspar took it from the boy
Who stood expectant by;
And then the old man shook his head,
And with a natural sigh
'Tis some poor fellow's skull,' said he,
'Who fell in the great victory,

'I find them in the garden
For there's many here about;
And often when I go to plough
The ploughshare turns them out,
For many thousand men,' said he,
'Were slain in that great victory.'

'Now tell us what 't was all about,'
Young Peterkin he cries;
And little Wilhelmine looks up
With wonder-waiting eyes;
'Now tell us all about the war,
And what they fought each other for.'

'It was the English,' Kaspar cried,
'Who put the French to rout:
But what they fought each other for
I could not well make out.
But everybody said,' quoth he,
'That 'twas a famous victory.

'My father lived at Blenheim then,
You little stream hard by;
They burnt his dwelling to the ground,
And he was forced to fly:
So with his wife and child he fled,
Nor had he where to rest his head.

'With fire and sword the country round
Was wasted far and wide,
And many a childing mother then
And new-born baby died:
But things like that, you know, must be
At every famous victory.

'They say it was a shocking sight
After the field was won;
For many thousand bodies here
Lay rotting in the sun,
But things like that, you know, must be
After a famous victory.

'Great praise the Duke of Marlbro; won
And our good Prince Eugene;'
'Why, 'twas a very wicked thing!'
Said little Wilhelmine;
'Nay...nay my little girl,' quoth he,
'It was a famous victory.

'And everybody praised the Duke
Who this great fight did win.'
'But what good came of it at last ?'
Quoth little Peterkin :-
'Why, that I cannot tell,' said he,
'But 'twas a famous victory.'

R. SOUTHEY

A Thing Of Beauty

A thing of beauty is a joy for ever,

Its loveliness increases,

It will never fade into nothingness.

KEATS

The Flight of Love

When the lamp is shattered,
    The light in the dust lies dead—
When the cloud is scattered,
    The rainbow's glory is shed,
When the lute is broken,
    Sweet tones are remembered not;
When the lips have spoken,
    Loved accents are soon forgot.

As music and splendour
    Survive not the lamp and the lute,
The heart's echoes render
    No song when the spirit is mute—
No song but sad dirges,
    Like the wind through a ruined cell,
Or the mournful sugges
    That ring the dead seaman's knell.

When hearts have once mingled,
    Love first leaves the well-built nest;
The weak one is singled
    To endure what it once possest.
O Love! who bewailest
    The frailty of all things here,
Why choose you the frailest
    For your cradle, your home, and your bier?

Its passions will rock thee
    As the storms rock the ravens on high;
Bright reason will mock thee
    Like the sun from a wintry sky.
From thy nest every rafter
    Will rot, and thine eagle home
Leave thee maked to laughter,
    When leaves fall and cold winds come.

P. B. SHELLY

Mutability

The flower that smiles to-day
To-morrow dies;
All that ws wish to stay
Tempts and then flies.
What is this world's delight ?
Lightning that mocks the night,
Brief even as bright.

Virtue, how frail it is !
Friendship how rare !
Love, how it sells poor bliss
For proud despair !
But we, though soon they fall
Survive their joy, and all
Which ours we call.

Whilst skies are blue and bright
Whilst flowers are gay,
Whilst eyes that change ere night
Make glad the day;
Wh:lst yet the calm hours creep,
Dream thou—and from thy sleep
Then wake to weep.

P. B. Shelley

For Ever Fortune Wilt Thou Prove

For ever! Fortune, will thou prove
An unrelenting foe to love,
And when we meet a mutual heart
Come in between, and bid us part?

Bid us sigh from day to day,
And wish and wish the soul away;
Till youth and genial years are flown,
And all the llfe of life is gone?

But busy, busy, still art thou;
To bind the loveless joyless vow,
The heart from pleasure to delude,
To join the gentle to the rude.

For once, O Fortune, hear my prayer,
And I absolve thy future care;
All other blessings I resign,
Make but the dear Amanda mine.

J. Thomson

To A Skylark

Hail to thee, blithe Spirit !
Bird thou never wert,
That from heaven, or near it,
Pourest thy full heart
In profuse strains of unpremeditated art,

Higher still and higher
From the earth thou springest
Like a cloud of fire;
The blue deep thou wingest,
And singing still dost soar, and soaring ever singest.

In the golden lightning
Of the sunken sun,
O'er which clouds are brightening,
Thou dost float and run,
Like an unbodied joy whose race is just begun.

The pale purple even
Melts around thy flight;
Like a star of heaven
In the broad daylight
Thou art unseen, but yet I hear thy shrill delight:

Keen as are the arrows
   Of that silver sphere,
Whose intense lamp narrows
   In the white dawn clear
Until we hardly see, we feel that it is there

All the earth and air
   With thy voice is loud,
As, when night is bare,
   From one lonely cloud
The moon rains out her beams, and heaven is over–flow'd.

What thou art we know not;
   What is most like thee?
From rainbow clouds there flow not
   Drops so bright to see
As from thy presence showers a rain of melody.

Like a pot hidden
   In the light of thought,
Singing hymns unbidden,
   Till the world is wrought
To sympathy with hopes and fears it heeded not:

Like a high-born maiden
   In a palace tower,
Soothing her love-laden
   Soul in secret hour
With music sweet as love, which overflows her bower;

Like a glow-worm golden
In a dell of dew,
Scattering unbeholden
Its aerial hue
Among the flowers and grass, which screen it from the view:

Like a rose embower'd
In its own green leaves,
By warm winds deflower'd,
Till the scent it gives
Makes faint with too much sweet these heavy-winged thieves.

Sound of vernal showers
On the twinkling grass,
Rain-awaken'd flowers,
All that ever was
Joyous, and clear, and fresh, thy music doth surpass.

Teach us, sprite or bird,
What sweet thoughts are thine:
I have never heard
Praise of love or wine
That panted forth a flood of rapture so divine.

Chorus hymeneal,
Or triumphal chant,
Match'd with thine would be all
But an empty vaunt—
A thing wherein we feel there is some hidden want.

What objects are the fountains
Of thy hppy strain?
What fields, or waves, or mountains?
What shapes of sky or plain?
What love of thine own kind? what ignorance of pain?

With thy clear keen joyance
Languor cannot be:
Shadow of annoyance
Never came near thee:
Thou lovest; but ne'er knew love's sad satisty.

Waking or asleep
Thou of death must deem
Things more true and deep
Than we mortals dream,
Or how could thy notes flow in such a crystals stream?

We look before and after,
And pine for what is not:
Our sincerest laughter
With some pain is fraught;
Our sweetest songs are those that tell of saddest thought

Yet if we could scorn
Hate, and pride, and fear!
If we were things born
Not to shed a tear,
I know not how thy joy we ever shonld come near

Better than all measures
Of delightful sound,
Better than all treasures
That in books are found,
Thy skill to poet were, thou scorner of the ground!

Teach me half the gladness
That thy brain must know,
Such harmonious madness
From my lips would flow
The world should listen then, as I am listening now !

P. B. SHELLY

She Is Far From The Land

She is far from the land where her young hero sleeps
And lovers around her are sighing
But coldly she turns from their gaze and weeps
For her heart in his grave is lying.

She sings the will songs of her dear native plains
Every note which he loves awaking
Ah! little they know who delight in her strains
How the heart of the minstrel is breaking.

He lived for his love, for his country he died
They were all that to life had entwined him
Nor soon shall the tears of his country be dried
Nor long shall his love stay behind him.

O make her a grave where the sunbeams rest
When they promise a glorious morrow
They will shine over his sleep like a smile from the west.
From her own loved island of sorrow.

THOMAS MOORE

The Parrot in Exile

The deep affections of the breast
That Heaven to man imparts
Are not exclusively possessed
By human hearts.

A Parrot from the Spanish Main,
Full young and early caged, came o'er
With bright wings to the bleak domain
Of Mulla's shore.

To spicy groves. where he had won
His plumage of resplendent hue,
His native fruits, and skies nnd sun,
He bade adieu.

For these he changed the smoke of turf,
A heathery land and misty sky,
And turned on rocks and raging surf
His golden eye.

But petted in our climate cold,
He lived and chattered many a day
Until, with age, from green and gold
His wings grew grey.

At last, when blind, and seeming dumb
He colded, laughed and spoke no more
A Spanish stranger, chanced to come
To Mulla's shore.

He hailed the bird in Spanish speech;
The bird in Spanish speech replied,
Flapped round the cage with joyous screech,
Dropt down and died.

T. Campbell.

Tha Vicissitudes of Life

The Favour of Prince

Farewell, a long farewell. to all my greatness,
This is the state of man; to-day he puts forth
The tender leaves of hope to-morrow blossoms,
And bears his blushing honours thick upon him;
The third day comes a frost. a killing frost
And when he thinks. good easy man, full surely
His greatness is a ripening,—inps his root
And then he falls. as I do. I have ventured,
Like little wanton boys that swim on bladders,
This many summers in a sea of glory;
But for beyond my depth; my high-blown pride;
At length broke under me; and cow has left me,
Weary, and old with service. to the mercy
Of a rude stream, that must for ever hide me,
Vain pomp and glory of this world, I hate ye;
I feel my heart now open'd; O, how wretched
Is that poor man that hangs on princes' favours !

WILLIAM SHAKESPEARE
King Henry VIII

To the Evening Star

Star that bringest home the bee,
And sett'st the weary labourer free !
If any star shed peace, tis thou,
That send'st it from above,
Appearing when Heaven's breath and brow
Are sweet as hers we love.

Come to the luxuriant skies,
Whilst the landscape's odours rise,
Whilst far-off lowing herds are heard.
And songs when toil is done,
From cottages whose smoke unstirr'd
Curls yellow In the sun.

Star of love's soft interviews,
Parted lovers on thee muse;
Their remembrancer in Heaven
Of thrilling vows thou art,
Too delicious to be riven
By absence from the heart.

T. CAMPBELL

God the Author of Nature

THERE lives and works
A soul in all things, and that soul is God.
The beauties of the wilderness are His,
That make so gay the solitary place,
Where no eye sees them. And the fairer forms,
That cultivation glories in, are His.
He sets the bright procession on its way,
And marshals all the order of the year;
He marks the bounds which Winter may not pass,
And blunts his pointed fury; in its case,
Russet and rude, folds up the tender germ
Uninjured with inimitable art;
And, ere one flowery season fades and dies,
Designs the blooming wonders of the next.
The Lord of all, Himself, through all diffused,
Sustains, and is the life of all that lives.
Nature is but a name for an effect,
Whose cause is God. Not a flower
But shows some touch, in freckle, streak, or stain,
Of His unrivalled pencil. He inspires
Their balmy odours, and imparts their hues,
And bathes their eyes with nectar, and includes,
In grains as countless as the sea-side sands,
The forms with which He sprinkles all the earth
Happy who walks with Him! whom what he finds.
Of flavour or of scent, in fruit or flower,
Or what he views of beautiful or grand
In Nature, from the broad majestic oak
To the green green blade that twinkles in the sun.
Prompts with remembrance of a present God."

William Cowper

Requiem

Under the wide and starry sky
Dig the grave and let me lie.
Glad did I live and gladly die,
And I laid me down with a will.

This be the verse you grave for me:
Here he lies where he longed to be.
Home is the sailor, home from the sea,
And the hunter home from the hill.

Robert Louis Stevenson

O My Luve's Like A Red, Red Rose

O my Luve's like a red, red rose
　　That's newly sprung in June:
O my Luve's like the melodie
　　That's sweetly play'd in tune.

As fair art thou, my bonny lass,
　　So deep in luve am I:
And I will luve thee still, my dear,
　　Till a 'the seas gang dry:

Till a' the seas gang dry, my dear,
　　An the rocks melt wi' the sun;
I will luue thee still, my dear,
　　While the soud's O' life shall run.

And fare thee well, my only Luve!
　　And fare thee well awhile!
And I will come again my Luve,
　　Tho' it were ten thousand mile.

R. BURNS

Ode on The Spring

Lo! where the rosy-bosom'd Hours,
Fair Venus' train, appear,
Dieclose the long-expecting flowers
And wake the purple year!
The Attic warbler pours her throat
Responsive to the cuckoo's note,
The untaught harmony of Spring:
While, whispering pleasure as they fly,
Cool Zephyrs through the clear blue sky
Their gather'd fragrance fling.

Where'er the oak's thick branches stretch
A broader, browner shade,
Where'er the rude and moss-grown beech
O'er-canopies the glade,
Beside some water's rushy brink
With me the Muse shall sit, and think
(At ease reclined in rustic state)
How vain the ardour of the Crowd,
How low, how little are the Proud,
How indigent the Great!

Still is the toiling hand of Care;
The panting hards repose:
Yet hark, how through the peopled air
The busy murmur glows!
The insect youth are on the wing,
Eager to taste the honied spring
And float amid the liquid noon:
Some lightly o'er the current skim,
Some show their gaily-gilded trim
Quick-glancing to the sun.

To contemplation's sober eye
Such is the race of Man:
And they that creep, and they that fly,
Shall end where they began.
Alike the busy and the gay
But flutter through life's little day,
In Fortune's varying colours drest:
Brush'd by the hand of rough Mischance,
Or chill'd by Age, their airy dance
They leave, in dust to rest.

Methinks I hear in accents low
The sportive kind reply:
Poor moralist! and what art thou?
A solitary fly!
Thy joys no glittering female meets,
No hive hast thou of hoarded sweets,
No painted plumage to display:
On hasty wings thy youth is flown;
Thy sun is set, thy spring is gone—
We frolic while 'tis May.

T. GRAY

Freedom and Love

How delicious is the winning
Of a kiss at loves' beginning,
When two mutual hearts are sighing
For the knot there's no untying !

Yet remember, 'midst your wooing,
Love has bliss, but Love has ruing,
Other smiler may make you fickle,
Tears for other charms may trickle.

Love he comes, and Love he tarries,
Just as fate or fancy carries;
Longest it stays, when sorest chiddren;
Longhs and flies, when press'd and hidden.

Bind the sea to slumber stilly.
Bind ill adour to the lily,
Bind the aspen ne'er to quiver,
Then bing Love to last for ever

Love's fire that need renewal
Of fresh beauty for its fuel;
Love's wing moulte when caged and captured.
Only free, he soars enraptured.

Can you keep the bee from ranging.
Or the ring dove's neck from changing ?
No ! nor fetter'd Love from dying
In the knot there's no untying.

T. CAMPBELL.

The Night Has A Thousand Eyes

The night has a thousand eyes,
And the day but one;
Yet the light ef the bright world dies
With the dying sun.

The mind has a thousand eyes,
And the heart but one;
Yet the light of a whole life dies
When love is done.

F. W. BOURDILLON.

Home

There is a land, of every land the pride,
Beloved by Heaven o'er all the world beside;
Where brighter suns dispense serener light,
And milder moons emparadise the night;
A land of beauty, virtue, valour, truth,
Time-tutored age, and love exalted youth.

The wandering mariner, whose eye explores
The wealthiest isles, the most enchanting shores,
Views not a realm so beautiful and fair,
Nor breathes the spirit of a purer air;

In every clime the magnet of his soul,
Touched by remembrance, trembles to that pole;
For in this lane of Heaven's peculiar grace,
The heritage of nature's noblest race,
There is a spot of earth supremely blest,
A dearer, sweeter spot than all the rest,

Where man, creation's tyrant, casts aside
His sword and sceptre, pageantry and pride
While in his softened looks benignly blend
The sire, the son, the husband, brother, friend;

Here woman reigns; the mother, daughter, wife,
Strew with fresh flowers the narrow way of life!
In the clear heaven of her delightful ye,
An angel-guard of loves and graces lie;
Around her knees domestic duties meet;
And fire side pleasures gamble at the feet.

Where shall that land, that spot of earth be found !
Are thou a man ?—a patrict ?—look around;
O, thou shalt find, howe'er thy footsteps roam,
That lann thy country, and that spot thy home.

JAMES MOUTGOMERY

Fare Thee Well

Fare thee well! and if for ever,
Still for ever, fare thee well:
Even though unforgiving, never
Gainst thee shall my heart rebel.

Would that breast were bared before thee
Where thy head so soft had lain,
While that placid sleep came O'er thee
Which thou ne'er canst know again.

Would that breast, by thee glanced over,
Every inmost thought could show!
Then thou wouldst at last discover
Twas not well to spurn it so

Though the world for this commended thee—
Though it smiled upon the blow,
Even its praise must offend thee,
Founded on another's woe,

Though my many faults defaced me,
Could no other arm be found,
Than the one woich once embraced me,
To inflict a cureless wound?

Yet, oh yet, thyself deceive not;
Love may sink by slow decay,
But by suddan wronch, believe not,
Hearts can thus be torn away:

Still thine own its life retaineth.
Still must mine, though bleeding, beat;
And the undying thought which paineth,
Is-that we no more may meet.

These are words of deeper sorrow
Than the wail above the dead;
Both shall live, but every morrow
Wake us from a widow'd bed.

And when thou wouldst solace gather,
When our child's first accents flow,
Wilt thou teach her to say "Father!"
Though his care she must forego ?

When her little hand shall pross thee,
When her lip thine is pressed,
Think of him whose prayer shall bless thee,
Think of him whom thy love had bless'd!

Should her lineaments resemble
Those thou never more mayst see,
Then thy heart will softly tremble
With a pulse yet true to me:

All my faults perchance thou knowest,
All my madness none can know;
All my hopes, where'er thou goest,
Whither, yet with thee they go.

Every feeling hath been shaken;
    Pride, which not a world could blow,
Bows to thee—by thee forsaken,
    Even my soul forsakes me now.

But 'tis done—all words are idle—
    Words from me are vainer still;
But the thoughts we cannot bridle
    Force their way without the will.

Fare thee well! thus disunited,
    Torn from every nearer tie,
Sear'd heart, and love, and blighted,
    More than this I scarce can die.

LORD BYRON

True Friend

He that is thy friend indeed,
He will help thee in thy need,
If thou sorrow; he will weep;
If thou wake, he cannot sleep.
Thus of every grief in heart
He with thee doth bear a part,
These are certain signs to know
Faithful friend from flattering toe.—

W. SHAKESPEARE

Sliloquy on Sleep

How many thousand of my poorest subjects
Are at tais hour asleep ! —O sleep, O gentle sleep,
Nature's soft nurse, how have I frighted thee
That thou no more; wilt no more weigh my eyelids down
And steep my senses in fogetfulness?
Why rather sleep, liest thou in smoky cribs,
Upon uneasy pallets stretching thee,
And hushed with buzzing night flies to thy slumber,
Than in the perfumed chambers of the great
Under the canopies of costly stated,
And lulled with sound of sweetest melody!
O thou dull god! why liest thou with the vile
In loathsome beds, and leav'st the kingly couch
A watch case or a common, 'larm bell?
Wilt thou upon the high and giddy mast,
Seal up the ship-boy's eyes, and rock his brains
In cradle of the rude imperious surge
And in the visitation of the winds,
Who take the ruffian billows by the top
Curling their monsterous heads. and hanging them
With deafening clamour in the slippery clouds
That, with the hurly, death itself awakes?
Canst thou, O partial sleep, give thy repose
To the wet-sea-boy in an hour so rude,
And in the calmest and most stillest night,
With all appliances and means to boot,
Deny it to a king?—Then happy, lie down!
Uneasy lies the head that wears a crown.

W. Shakespeare
Henery IV., Part II., Act III. Secene!

Time

Unfathomable Sea, who's waves arc years!
    Ocean of Time, whose waters of deep woe
Are brackish with the salt of human tears!
    Thou shoreless flood, which in thyebb and flow
Claspest the limits of mortality,
    And, sick of prey yet howling on for more,
Vomitest thy wrecks on its inhospitable shore !
    Treacherous in calm, and terrible in storm,
Who shall put forth on thee,
    Unfathomable Sea ?

P. B SHELLEY

Song

The stars are with the voyager,
Wherever he may sail;
The moon is constant to her time
The sun will never fail,
But follow, follow round the world,
The green earth and the sea;
So love is with the lover's heart,
Wherever he may be.
Wherever he may be, the stars
Must daily lose their light;
The moon will veil her in the shade;
The sun, will set, at night.
The sun may set, but constant love
Will shine when he is away;
So that dull night is never night,
And dav is brighter day.

T. HOOD

The Better Land

"I hear thee speak of the better land,
Thou call'st its children a happy band;
Mother, oh! where is that radiant shore?
Shall we nor seek it, and weep no more?
Is it where the flower of the orange blows,
And the fire-flower of the orange blows.
And the fire-flies glance through the myrtle boughs?"
"Not there, not there, my child!"

"Is it where the feathery palm-trees rise,
And the date grows ripe under sunny skies?
Or midst the green islands on glittering seas,
Where fragrant forests perfume the breeze,
And strange, bright birds. on their starry wings,
Bear the rich hues of all glorious things?"
"Not there, not there. my child!"

"Is it far away in some region old,
Where the rivers wander o'er sands of gold,
Where the burning rays of the ruby shine,
And the diamond lights up the secret mine.
And the pearl gleams forth from the coral strand;
Is it there, sweet mother, that better land?"
"Not there, not there, my child!"

"Eye hath not seen it, my gentle boy!
Ear hath not heard its deep songs of joy;
Dreams cannot picture a world so fair;
Sorrow and death may not enter there:
Time doth not breathe on its fadeless bloom,
For beyond the clouds and beyond the tomb,—
    It is there, it is there, my child!"

F. HEMANS

A Slumber Did My Spirit Seal

A slumber did my spirit seal;
I had no human fears:
She seem'd thing that could not feel
The touch of earthly years.
No motion has she now, no force;
She neither hears nor sees;
Roll'd round in earth's diurnal course
With rocks and stones, and trees.

WILLIAM WORDSWORTH

The Mother's Dream

I'd a dream to-night
As I fell asleep,
Oh ! the touching sight
Makes me still to weep;
Of my little lad,
Gone to leave me sad,
Aye, the child I had,
But was not to keep.
As in heaven high,
I my child did seek,
There, in train, came by
Children fair and meek,
Each in lily white,
With a lamp alight;
Each was clear to sight,
But they did not speak.
Then, a little sad,
Came my child in turn,
But the lamp he had,
Oh ! it did not burn;
He, to clear my doubt,
Said, half-burned about,
"Your tears put it out;
Mother, never mourn."

WILLIAM BARNES

The Death of the Old Year

Full knee-deep lies the winter snow,
And the winter winds are wearily sighing;
Toll ye the church-bell sad and slow,
And tread softly and speak low,
For the old year lies a-dying.
Old year you must not die;
You came to us so readily,
You lived with us so steadily,
Old year, year, you shall not die.

He lieth still : he doth not move:
He will not see the dawn of day.
He hath no other life above.
He gave me a friend, and a true love,
And the New year will take them away.
Old year, you must not go;
So long as you have been with us,
Such joy as you have seen with us,
Old year, you shall not go.

He froth'd his humpers to the brim:
A jollier year we shall not see.
But tho' his eyes are waving dim.
And tho' his foes speak ill of him,
He was a friend to me.
Old year, you shall not die;
We did so laugh and cry with you,
I've half a mind to die with you,
Old year, if you must die.

He was full of joke and jest;
But all his merry quips are over.
To see him die, across the waste,
His son and heir doth ride post haste,
But he'll be dead before,
    Every one for his own.
    The night is starry and cold, my friend,
    And the New-year blithe and bold, my friend,
    Comes upto take his own.

How hard he breathes! over the snow
I heard just now the crowing cook,
The shadows flicker to and fro :
The cricket chirps : the light burns low :
T'is nearly twelve-o'-clock.
    Shake hands before you die.
    Old year, we'll dearly rue for you :
    What is it we can do for you ?
    Speak out before you die.

His face is growing sharp and thin,
Alack ! our friend is gone.
Close up his eyes: the up his chin ;
Step from the corpse and let him in,
That standeth there alone
    And waiteth at the door.
    There's a new foot on the floor, my friend
    And a new-face at the door, my friend
    A new face at the door.

TENNYSON.

Wolsey's Farewell

Cromwell, I did not think to shed a tear
In all my miseries; but thou hast forced me
Out of thy honest truth to play the woman,
Let's dry our eyes ; and thus far hear me, Cromwell:
And, when I am forgotton, as I shall be
And sleep in dull cold marble, where no mention
Of me more must be heard of, say, I taught thee,
Say, Wolsey, that once trod the ways of glory,
And sounded all the depths and shoals of honour,
Found thee a way, out of his wreck to rise in:
A sure and safe one, though thy master missed it,:
Mark but my fall, and that ruined me.
Cromwell, I charge thee; fling away ambition :
By that sin fell the augels: how can may then,
The image of his Maker, hope to win by it ?
Love thy self last, Cherish those hearts that hate thee;
Corruption wins and not more than honesty.
Still in thy right hand carry gentle peace,
To silence envious tongues. Be just and fear not :
Let all the ends thou aim'st at be thy country's
Thy God's, and truth's, then if thou fall'st O Cromwell,
Thou fall'st a blessed martyre. Serve the King,
And—prithee, lead me in;
There take an inventory of all I have,
To the last ponny; 'tis the King's ; my robe,
And my integrity to heaven, is all
I dare no callmine own. O'Cromwell, Cromwell!

Had I but served my God with half the zeal
I served my King, He would not in mine age
Have left me naked to mine enemies.

W. SHAKESPEARE
Henry viii, Act iii,, Scene ii

A Wish

Mine be cot beside the hill;
A bee-live's hum shall soothe my ear;
A willowy brook that turns a mill,
With many a fall shall lduger near.

The swallow, oft, beneath my thatch
Shall twitter from her clay-built nest;
Off shall the pilgrim lift the latch,
And shark my meal, a welcome guest.

Around my livied porch shall spring
Each fragrant flower that drinks the dew;
And Lucy, at her wheel, shall sing
In russet-gown and apron blue.

The village-church among the trees,
Where first our marriage-vows were given,
With merry peals shall swell the breeze,
And point with taper spire to Heaven.

S. Roger

Home they Brought Her Warrior Dead

Home they brought her warrior dead;
She nor swooned, nor uttered cry:
All her maidens watching, said
"She must weep or she will die."

The they praised him soft and low,
Called him worthy to be loved,
Truest friend and noblest foe;
Yet she neither spoke nor moved.

Stole a maiden from her place
Lightly to the warrior stept,
Took the face-cloth from the face;
Yet she neither moved nor wept.

Rose a nurse of ninety years,
Set his child upon her knee—
Like summer tempest came her tears—
"Sweet my child, I live for thee."

ALFRED TENNYSON

We are Seven

A simple child
That lightly drawns its breath,
And feels its life in every limb,
What should it know of death?

I met a little cottage Girl:
She was eight years old, she said;
Her hair was thick with many a curl
That clustered round her head.

She had a rustic woodland air,
And she was wildly clad:
Her eyes were fair, and very fair,
Her beauty made me glad.

'Sisters and brothers, little Maid,
How many may you be?'
'How many? Seven in all,' she said,
And wondering looked at me.

'And where are they? I pray you tell.'
She answered, 'Seven are we;
And two of us at conway dwell
And two are gone to sea.

Two of us in the church-yard lie,
My sister and my brother;
And, in the church-yard cottage, I
Dwell near them with my mother.'

You say that two at conway dwell
And two are gone to sea,
Yet ye are seven!—I pray you tell,
Sweet Maid, how this may be.

Then did the little Maid reply,
'Seven boys and girls are we;
Two of us in the church-yard lie,
Beneath the church-yard tree.

'You run above, my little Maid,
Your limbs they are alive;
If two are in the church-yard laid
Then ye are only five.'

'Their graves are green, they may be seen,'
The little Maid replied
'Twelve steps or more from my mother's door,
And they are side by side.

'My stockings there I often knit,
My kerchief there I hem
And there upon the ground I sit
And sing a song to them.

'And often after sun-set Sir,
When it is light and fair
I take my little porringer,
And eat my supper there.

'The first that died was sister Jane;
In bed she moaning lay,
Till God released her of her pain
And then she went away.

'So in the church-yard she was laid.
And when the grass was dry,
Together round her grave we played
My brother John and I

'And when the ground was white with snow.
And I could run and slide,
My brother John was forced to go,
And he lies by her side.'

'How may are you, then,' said I,
'If they two are in heaven?'
Quick was the little Maid's reply.
'O Master! we are seven '

'But they are dead; those two are dead!
Their spirits are in heaven!'
'Twas throwing words away; for still
The little Maid would have her will,
And said. 'Nay, we are seven!'

WILLIAM WARDSWORTH

Rainbow

My heart leaps up when I behold
A rainbow in the sky.
So was it when my life began
So is it now I am a man
So be it when I shall grow old
Or let me die!
The child is father of the Man:
A I could wish my days to be
Bound each to each by natural piety.

WILLIAM WORDSWORTH

B'ow, Blow Thou Winter Wind

Blow, blow, thou winter wind,
Thou art not so unkind|
As man's ingratitude;
Thy tooth is not so keen
Because thou art not seen,
Although thy breath be rude.
Heigh ho! sing heigh ho! unto the green holly,
Most friendship is feigning, most loving mere folly:
Then, heigh ho! the holly!
This life is most jolly.

Freeze, freeze, thou bitter sky,
That dost not bite so nigh
As benefits forgot:
Though thou the waters warp,
Thy sting is not so sharp
As friend remember'd not.
Heigo ho! sing heigh ho! unto the green holly:
Most friendship is feigning, most loving mere folly;
Then, heigh ho! the holly!
This life is most jolly.

W. SHAKESPEARE

مطبوعات ولا اکیڈمی

دین یار جنگ زندگی اور کام	برق موسوی	۴-۰۰
سخن در سخن (مجموعۂ رباعیات)	نواب مظفر الدین خاں صاحب	۴-۰۰
افق در افق	"	۸-۵۰
ادراک معنی	طیب انصاری	۶-۰۰
میرا شہر میرے لوگ	"	۵-۰۰
مفہوم القرآن (پارہ ۱ تا ۹)	کیف بھوپالی (فی پارہ)	۲-۰۰
نگارشات حمایت	کرنل حمایت بیگ	۳-۰۰
وجود و شہود	عطا کلیانوی	۴-۰۰
صحرا کا سفر	راہی قریشی	۳-۵۰
نذرِ خسرو	ایس۔ ایس لانبہ	۷-۰۰
میخانہ (مجموعۂ کلام)	میکش حیدرآبادی	۱۰-۰۰
محمد بن عبدالوہاب	محی الدین احمد	۵-۰۰
اردو الفاظ شماری	حسن الدین احمد	۸۵-۰۰
مقدمہ اردو الفاظ شماری	"	۳-۰۰
انجمن (سوانحی مضامین کا مجموعہ)	"	۱۵-۰۰
جامع العطیات	ضیاء الدین احمد شکیب و حسن الدین احمد	۴۵-۰۰
داستانِ غم (فارسی) طبع دوم	شمس العلماء۔ نواب عزیز جنگ ولاؔ	۲۰-۰۰
تاریخ النوائط حصہ اول	"	۲۰-۰۰

ولا اکیڈمی۔ عزیز باغ۔ سلطان پورہ۔ حیدرآباد۔ ۵۰۰۰۲۴